0031

پاکستان میں حج کے سفرناموں کا جائزہ

۱۹۸۰ء تا ۱۹۹۰ء

برائے ایم فل اردو

۱۹۹۲ء

نگران

ڈاکٹر انوار احمد صاحب

چیئرمین شعبہ اردو

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی

ملتان

مقالہ نگار

جاوید محمود سہو

لیکچرار اردو

گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج

خانیوال

مقالہ ھذا کی منظوری علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سے مل چکی ہے

انتساب :

اُس عظیم ہستی کے نام

جو

مجھے اپنے دل وجاں سے بھی زیادہ عزیز ہے ۔

فہرست ابواب

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

=*=*=*=*=*=*=*=*=*=*=*=*=*=

زندگی کا عرصہ بہت قلیل ہے، انسان ابتدائے آفرینش سے اضطراری طور پر اس ہنگامۂ زیست میں کئی عزائم لے کر آتا ہے مگر یہاں کا ماحول اور اس کے باسی کسی اور ترنگ میں نظر آتے ہیں۔ سوچ کا دھارا منطقی انداز میں رواں دواں رہتا ہے تا آنکہ یہ خیالات و نظریات اپنے منطقی انجام کو پہنچتے ہیں۔ انسانی زندگی تغیّر اور انقلاب کا نام ہے۔ اس میں ہر وقت تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی سکون میسر آتا ہے اور بعض اوقات مصائب و مشکلات راستے کی رکاوٹ کا عَلَم بن جاتے ہیں۔ یہی زندگی کا دھارا ہے اور اس میں راز حیات پنہاں ہے۔ وقت کا پہیہ سرگرم عمل رہتا ہے۔ کچھ اس تیز رفتار پہیے کے ہم آغوش ہو جاتے ہیں اور جو پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کے لئے پچھتاوا اور وسوسہ اَنمِٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

مجھے اپنی طالب علمانہ زندگی کو چھوڑے ہوئے بہت عرصہ گزر گیا ہے۔ پچھلے دس برس سے بحیثیت لیکچرر اردو اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہوں۔ گویا یہ نئے انداز میں طالبعلم بننے کا تجربہ تھا۔ جس طرح سابقہ دور میں، یعنی زمانۂ طالب علمی میں کتابیں اکٹھی کرنا، پڑھنا اور پھر نوٹس تیار کرنا ہوتے تھے، اسی طرح اب بھی کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس حسین اور دلفریب ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑتا۔ گھر میں موجود بچے اور بزرگ مذاق کرتے کہ عمر کے اس حصے میں صاحب زیور علم سے آراستہ و پیراستہ ہونے لگے ہیں اور ہم مسکرا کر ایک جذبۂ صادق کے زیر اثر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ یہ وطیرہ اور روّیہ کبھی خوشگوار اور بعض اوقات ناخوشگوار حالتوں سے جاری و ساری رہا۔ ایم فل کے سمیسٹر پاس کئے اور اس بحر بیکراں میں قدم رکھا جس کا پچھلے ڈیڑھ برس سے کوئی کنارا نظر نہیں آتا تھا۔

میرے مقالے کا عنوان "پاکستان میں حج کے سفرناموں کا جائزہ" ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔ حج اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ قرآن مجید میں کئی

جگہوں پر اللّٰہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت و انفرادیت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ گویا مسلمان مرد یا عورت کا دین اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوتا جب تک وہ اس فریضہ سے سبکدوش نہ ہو جائیں۔ حج زندگی میں ایک بار بہت ہی ضروری ہے۔ البتہ صاحب حیثیت حضرات چاہے جتنے حج کر لیں، اس کا انہیں برابر اجرو ثواب نصیب ہوتا ہے۔ لہذا حج اور حج کے سفرناموں کی بابت تحقیق و تجزیہ بھی بالواسطہ ہمدردیٔ خیرالانام کا حصول ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ " اعمال کا دارو مدار نیتّوں پر ہے" اگر انسان ان سفرناموں کا مطالعہ نیکی اور ثواب سمجھ کر ہی کرے تو یہ قدم مثبت روّیوں کا امین ہو گا۔ ان سفرناموں میں مسکن رسول اکرم (صلعم) اور حرم کعبہ سے متعلق حالات اور واقعات کا اندراج ہوتا ہے اور قرین قیاس حد تک یہی نیکیاں محقق و قارئین کے لئے گوشۂ نشاط اور سرخروئی قلب و نظر کی علمبردار بننے کی امین ہوتی ہیں۔

آج کے سائنسی دور میں ادب کو اور خصوصاً اردو ادب کو غیر اہم اور لایعنی سمجھا جاتا ہے۔ جوں جوں سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں، ادب (اردو) کا مقام و مرتبہ کم ہو رہا ہے۔ سائنس کی ترقی دراصل لوازمات اور معیار زندگی کا اعلیٰ و ارفع مقام سمجھا جاتا ہے اور ادب کی ترقی انعود انسان اور انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ زندگی تفہیم ادب کے بغیر ناممکن ہے اور ادب و زندگی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ چنانچہ زندگی کی آرائش و زیبائش ادب کے لئے ملکوتی انبساط تصور ہوتی ہے۔

اردو ادب میں سفرنامہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آجکل اس دور میں جب کہ دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں، سفرنامہ دوسری تمام اصناف ادب پر فوقیت رکھتا ہے۔ سفرنامے سے ہی ہم دوسروں کے نظریات و خیالات اور طرز زندگی سے ہم کنار ہوتے ہیں اور جب یہ سفرنامہ حجاز مقدس سے متعلق ہو تو ہمیں الہامی اور وجدانی طور پر سعودی عرب کی تاریخ، جغرافیہ اور شہریت سے آگہی ہوتی ہے۔ حجاز مقدس صدیوں سے مسلمانوں کا مذہبی، روحانی، تمدّنی اور سیاسی اعتبار سے باعث افتخار مقام رہا ہے۔ یہ سرزمین خانہ کعبہ شریف کی آماجگاہ اور نبی اکرم

(صلعم) کا مسکن رہی ہے اس لئے چودہ سو سال سے مسلمان حجاج اور زائرین مقامات مقدسہ کی زیارت اور مناسک حج ادا کرنے کی غرض و غایت سے یہاں جاتے رہے ہیں واپس آ کر روداد سفر اور ادائیگی مناسک حج کی تفصیل و تشریح تحریر کرتے جن سے مستقبل کے حجاج رہنمائی حاصل کرتے اور مسلمانوں کی آپس میں ہم آہنگی پیدا ہوتی۔ اتنے طویل عرصے سے مختلف زبانوں میں مسلمان عازمین حج، اپنے اپنے حالات اور روداد سفر حجاز رقم کرتے رہے اور حج نامے معرض وجود میں آتے رہے۔ یہ حج نامے لاتعداد ہیں۔ جب سے پاکستان خطۂ ارض پر قائم ہوا ہے، سینکڑوں حج کے سفرنامے تحریر کئے جا چکے ہیں۔ ان حج ناموں کی روایت و ارتقاء اس مقالے میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں میں یہ حج نامے بکھرے ہوئے ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ چند جگہوں سے تو تین چار ماہ تک جواب نہ آئے۔ مایوس ہو کر کبھی خود حاضری دینا پڑی اور بعض اوقات بذریعہ تار و ٹیلیفون یاددھانی کرانا پڑی۔ کئی شہروں مثلاً لاہور، راولپنڈی، گوجرانوالہ، کراچی اور فیصل آباد کی خاک چھاننا پڑی۔ تب متعلقہ مواد اور کتب حاصل ہوئیں۔ اس کے باوجود تین حج نامے غازۂ محبوب کی طرح آنکھوں سے اوجھل رہے اور آخری وقت تک میسر نہ آئے۔ اس کا بےحد افسوس ہے۔ ہم نے خاصی کوشش کی اور پوری تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی ایسی کتاب نظر نہیں آئی جو مناسک حج کی ادائیگی اور حج کے سفرنامے کا بھرپور احاطہ کرتی ہو۔ صرف ڈاکٹر انور سدید کی کتاب "اردو ادب میں سفرنامہ" موجود ہے، جس میں حج کے سفرناموں سے متعلق ایک باب ہے۔ اسی طرح چند صفحات پر مشتمل کتابچہ "اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ" ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی ہے، اس میں حج سے متعلق معمولی سا تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ قارئین کو حج کے سفرناموں پر تحقیقی و تنقیدی کام کرتے ہوئے بہت تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بہت بڑے ادیب و محقق موجود ہیں مگر کسی کا دھیان بھی ادب کی اس غیر معمولی اہمیت کی حامل شاخ کی طرف نہیں گیا جس کا وجود آئے دن خاصا بھاری بھرکم اور بوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے ادب کے تالاب میں چند سنگ ریزے پھینک دیئے

ہیں۔ اب پانی میں ادبی لہریں مرتعش ہو گئی ہیں اور یہ مستقبل کے نقاد کا کام ہے کہ ان متحرک اور مرتعش لہروں کا بنظر غور، مشاہدہ کریں اور تنقید کی روشنی کا چراغ لے کر ان لہروں کی شبیہہ کا بغور مطالعہ کریں اور یوں ایک ایسی توانا، بھرپور اور مکمل تصویر مرتب کریں جس میں حج کے سفرنامے پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ پوری انفرادیت کا لحاظ رکھتے ہوئے معرض وجود میں نظر آئیں۔ قارئین کو ان میں کسی قسم کی تشنگی کا احساس نہ ہونے پائے اور اپنے پورے سیاسی، سماجی اور مذہبی تناظر میں یہ سفرنامے حجاز مقدّس کی روداد پیش کر رہے ہوں۔

اس مقالے کو مکمل کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ موضوع بہت طویل اور صبر آزما تھا۔ پورے ملک سے حج کے سفرنامے اکٹھے کرنا پھر ان کا بغور مطالعہ کر کے تجزیہ و تنقید لکھنا، کس طرح قرین قیاس نہ ہوتا .... اور وقت صرف ایک سال ... جو پلک جھپکتے ہی گزر جاتا ہے۔ اس ساری تحقیق و جستجو کا سہرا میرے مقالے کے نگران ڈاکٹر انوار احمد صاحب چیئرمین، شعبہ اردو، زکریا یونیورسٹی ملتان کے سر ہے جنہوں نے میرے حوصلے بلند کرنے میں والدین کے برابر حصہ لیا۔ میں ان کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ ہر آڑے وقت میں اور غمگینی و بے چینی کے لمحات میں تسلی دی۔ میں کام کرنے کے لئے نئے عزم و ولولے کے ساتھ تیار ہوا۔ یہ مقالہ صرف ڈاکٹر انوار احمد کے خلوص اور مشفقانہ صحبتوں کی وجہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد میرے شکریے کے مستحق پروفیسر محمد احمد صاحب ہیں۔ کتابیں اکٹھی کرنا ان کا فرض اوّلین تھا اور پھر میرے تجزیہ شدہ ادبی مواد پر رائے زنی، ان کا محبوب مشغلہ، گویا قدم قدم پر انہوں نے میری نگارشات پر تنقید کے نشتر چلائے اور پھر نشتر زدہ تحریروں (اجسام) کو سینے پرونے کا کام بھی بطریق احسن نبھایا۔ کراچی سے مختلف اوقات میں کتابیں حاصل کرنے کا خوشگوار فریضہ جناب قیوم نواز نے بطریق احسن نبھایا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوشش کے باوجود ایک سفرنامہ حاصل نہ کر پائے تاہم ان کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں۔ لاہور کے محسنوں اور مہربانوں میں ڈاکٹر انور سدید نے پوری پوری معاونت فرمائی اور کئی موقعوں پر کام کرنے کی لگن اور جذبہ پیدا کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر عبادت بریلوی نے حسب توفیق دعائیں اور کتاب بھیجی۔ یہ بات میرے لیے باعث

افتخار ہے۔ لہذا یہ تمام احباب میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ لاہور سے ہی ڈاکٹر آفتاب نقوی نے میرے ساتھ قائداعظم لائبریری میں کئی دنوں تک ریاضت فرمائی اور کتابوں کے حصول اور پھر ان پر تنقید و تبصرہ کے ضمن میں پوری پوری راہنمائی کی۔ جناب خلیل الرحمان داؤدی نے بھی وقتاً فوقتاً مقالے کی تکمیل میں حصہ لیا۔ جناب فرید پراچہ نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتابوں کے حصول میں مدد فرمائی اور اپنا ذاتی سفرنامۂ حج بھی ارسال کیا۔

جناب ممتاز محی الدین غوری پرنسپل گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ(میرے سابقہ رفیق کار ہیں) نے مقالے کو مکمل کرنے میں بھرپور مدد دی۔ اپنی ذاتی لائبریری سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا ---۔ فیصل آباد سے میرے خصوصی شکریے کے مستحق جناب حنیف لنگاہ صاحب (اسٹرکٹر شماریات) اور پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید ہیں جنہوں نے حج نامے بھجوائے۔ اسی طرح بہاولپور سے سیّد قاسم جلال نے یونیورسٹی لائبریری اور ذاتی لائبریری سے کتابیں فراہم کیں اور تنقید و تجزیہ کے حوالے سے مفید مشورے دئیے۔ ملتان سے ڈاکٹر طاہر تونسوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری طبیعت اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالے کے انتخاب کے وقت حج سے متعلق سفرناموں کا جائزہ ہی میرے لئے منتخب کیا اور پھر مقالے کی تیاری کے ضمن میں ہر طرح کی اخلاقی امداد فراہم کی۔ اسی طرح محترم انور جمال نے بھی وقتاً فوقتاً، گوناگوں مصروفیت کے باوجود کارآمد نکات سے نوازا۔ ساہیوال سے عبدالباری دولہ صاحب اس کی تکمیل کے لئے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہوئے تھے اور آخر میں میرے انفرادی شکریے کے مستحق ہیں میرے رفقاء کرام، جن کی مدد کے بغیر یہ مقالہ شاید اتنا جلدی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتا۔ ان میں جہانگیر طورو صاحب، صابر شکیب صاحب اور ابرار عابی صاحب کے نام سرفہرست ہیں۔ تاہم باقی دوستوں خصوصاً مظفر احمد کا بھی ممنون ہوں جو وقتاً فوقتاً بہت کارآمد ثابت ہوئے اور مقالہ ہذا کی تکمیل کے ضمن میں معاونت فرمائی۔

بہرحال! مقالہ حاضر خدمت ہے۔ اس میں معائب اور محاسن خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ادب کے مقابلے میں مذہب کی زیادہ سے زیادہ کارفرمائی شامل ہو تاکہ کسی ادنٰی سی نیکی کی بدولت روز آخرت خدا کے حضور سرخرو ہونے کا موقع مل سکے(آمین)

جاوید محمود سہو

گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج، خانیوال

باب اوّل

سفر نامہ کیا ہے

سفرنامے کی فنی حدود

اجزاء — محرکات — اثرات

سفرنامہ کیا ہے

سفرنامہ، دراصل روداد سفر ہے، ایسی روداد جس میں سیّاح اپنے مشاہدات، کیفیات، محسوسات اور قلبی واردات سمو دیتا ہے۔ جو شخص بھی سفر کی غرض سے نکلتا ہے، اس کی اپنی کوئی نہ کوئی مصلحت و مجبوری ہوتی ہے ، جسے سیّد وحید الدین سلیم ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں ،

" ایک گروہ تجارت کی غرض سے نکلا اور دور دراز ملکوں میں پھیل گیا۔ ایک گروہ نئے ملکوں کو فتح کرنے اٹھا اور مشرق سے مغرب تک کھوندڈالا۔ ایک گروہ علما کا تھا جنھوں نے حدیث کی تلاش میں اسپین سے عراق اور عراق سے اسپین تک سفر کیا ، بہت سے ایسے تھے جو حج کے بہانے گھر سے نکلے ہوئے اور حرمین کی زیارت سے فارغ ہو کر جدھر کو منہ اٹھا ، دور تک نکل گئے۔" (1)

سفر انسانی فطرت کا خاصا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سماجی دباؤ کا نتیجہ بھی ۔ اس کے علاوہ اس کے محرکات معاشی ، سیاسی ، علمی اور تہذیبی بھی ہیں، تاہم مسافر اور سیّاح کے امتیاز کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مسافر بہ امرِ مجبوری سفر کرتا ہے اور سیّاح تحیّر و تجسس کا عنصر لےکر گھر سے نکلتا ہے، وہ ان جانے دیسوں کی سیر اور اس وسیع و عریض کائنات میں بسنے والے انسانوں کو قریب سے دیکھنے کی خواہش لے کر گھر سے نکلتا ہے اور اپنی مرضی سے سفر کرتا ہے۔ جامع اللغات میں سیّاح کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

1۔ ابن جبیر اور اس کی سیاحت، " مضامین سلیم " جلد دوم، ص 6

" سیّاح عموماً سیر اور دل بہلانے کے لیے سفر کرتا ہے۔ "

(جامع اللغات، ص 447)

اور اس حقیقت کا اعتراف ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی ایک جگہ کیا ہے،

" سیّاحت من کی ترنگ اور اپنا انعام آپ ہے، اس لیے سیّاح
راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لائے بغیر ہر چیز کو
نگاہ شوق سے دیکھتے ہوئے جستجو کے اسپنج کو مشاہدات
کے پانیوں سے بوجھل بناتا جاتا ہے۔ "

(ادب اور کلچر، ص 161)

اس کے علاوہ تارڑ کے یہ لفظ بھی سیّاح اور مسافر کے ذہنی فاصلوں کا تعین کرتے ہیں کہ

" سیاح دانش مند نہیں ہوتا .... بلکہ ایک نا فرمان بچہ
ہوتا ہے۔ فرماں بردار ہو تو والدین کی گھنی چھاؤں اور
بچوں کے آسمانی پیار کو چھوڑ کر اپنی من مرضی سے گھر
سے بے گھر کیوں ہو جائے۔ "

(خانہ بدوش ، ص 238)

ڈاکٹر وزیر آغا نے بھی اپنے ایک انشائیے میں سیّاح کے داخلی امتیازی اوصاف گنواتے ہوئے لکھا
ہے کہ

" سیّاح کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر، وطن، نام
اور پیشے سے قطعاً منقطع اور بے نیاز ہو کر کسی غیر مادی
شے کی طرح سبک اور لطیف ہو جاتا ہے اور بندھنوں اور
حد بندیوں کو تج کر ایک آوارہ جھونکے کی سی آزادہ

رہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔"

(چوری سے یاری تک، ص 26)

مسافر اور سیّاح کا یہی درمیانی فرق ہی دراصل ایک عمدہ ادبی سفرنامے اور عام روداد سفر کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس دنیا میں مسافروں کی کوئی کمی نہیں لیکن سیّاح بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں اور پھر ان سیّاحوں میں بھی اپنے مشاہدات، تجربات اور محسوسات کو سلیقے اور خوش اسلوبی سے بیان کرنے والے تو بہت ہی کم ہوتے ہیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ سفر کی نوعیت خواہ کیسی ہی ہو، مسافر کے وابستگان اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ بھی ان علاقوں، دیہاتوں اور دور دراز ملکوں کے بارے میں جانیں جن کے انہوں نے نہ صرف نام سن رکھے ہیں اور دیکھے نہیں۔ یہ بات زمانہ قدیم میں تو کچھ زیادہ ہی پیش آتی تھی چونکہ تب ذرائع آمد و رفت اور ذرائع مواصلات کے نہ ہونے کی وجہ سے انسان کی معلومات محدود تھی اور جو لوگ سفر کی صعوبتوں یا معاشی مجبوریوں کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے وہ واقعات سفر سن کر اپنے ذوق کی تسکین کر لیتے تھے۔

سفر کرنے والا مسافر، بعض اوقات سیر و سیاحت کی غرض سے دور دیسوں کی خاک چھانتا ہے اور اس سیّاح کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے

قُل سِیرُو فِی الاَرضِ فَانظُرُو کَیفَ کَانَ عَاقِبَۃُ المُکَذِّبِینَ

ترجمہ = اور زمین پر گھوم پھر کر دیکھو، کہ ہم نے جھٹلانے والوں کا کیا انجام کیا ہے۔

(القرآن ، پارہ 26، سورۃ محمد)

مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق سفرنامہ تو اسی دن معرض وجود میں آ گیا تھا جب خدا تعالی کے حکم اور رضا کے مطابق نبی اکرم (صلعم) کو راتوں رات سارے آسمانوں کی سیر

کرائی گئی تھی اور اس کا چرچا کئی مواقع پر قرآن مجید میں بڑے شاعرانہ انداز میں کیا گیا ہے۔

سُبحانَ الَّذی اسریٰ بعبدہ لیلاً

(پارہ 15 ، سورۃ بنی اسرائیل)

وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ۔۔۔۔

ویسے بھی زندگی عمل سے بنتی ہے اور سفر عمل و حرکت کا علامتی روپ ہے اور جب انسان زندگی کا یہی روپ صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیتا ہے تو سفرنامہ وجود میں آتا ہے۔ سفرنامہ بنیادی طور پر سفر ہی کی روداد ہوتا ہے، تاہم اپنے وسیع تر مفہوم میں کسی خاص علاقے کے باشندوں کی تہذیبی ، تمدنی ، معاشرتی ، معاشی اور ثقافتی تاریخ بھی ہوتا ہے، لہذا سفرنامہ نگار کو بہت محتاط انداز میں ان باتوں کی نشان دہی کرنا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس احمد جعفری " سفرنامہ ابن بطوطہ " کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ

" سفرنامہ لکھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ حالات و واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور گرد و پیش کی پھیلی ہوئی دنیا کے رازوں کو جاننے کی بے پناہ کاوش بھی ۔ " (1)

سفرنامہ فرد واحد کا ایسا تخلیقی تجربہ ہے جو اس پر اسرار مخفی قوت کا مظہر ہوتا ہے جو شاعر کو شعر کہنے اور افسانہ نگار کو افسانہ لکھنے پر اکساتی ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے،

---

1 ۔ بحوالہ " سفرنامہ ابن بطوطہ " از رئیس احمد جعفری ، ص 7

محسوس کرتا ہے اور جس مقام سے بھی گزرتا ہے اس کی خوشبوئیں اس کے سارے چھپے ہوئے رنگ اور منظر کی تمام پس پردہ کیفیات کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور اگر وہ دیگر ذرائع سے فراہم کردہ معلومات کے سہارے منظر آفرینی کی کاوش کرے بھی تو وہ خوشبوئیں ، باطنی رنگ اور پس پردہ پوشیدہ کیفیات کی باز آفرینی کیوں کر کر سکتا ہے اور اگر کوئی سفرنامہ اس زیور سے محروم ہے تو وہ ادبی سفرنامہ کہلانے کا مستحق نہیں۔

سفرنامہ تین جہتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انفرادی زندگی ، قومی زندگی اور ادبی زندگی ۔ ایک اچھا سفرنامہ زندگی کے ان تینوں گوشوں پر محیط ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تقاضوں کا سامان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ بلکہ زندگی کے دامن میں حسن ، خوبصورتی اور لطافت بھر دیتا ہے۔ زندگی کو آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ معاشرے کی نشو و نما میں حصّہ لیتا ہے۔ وہ قوموں کے ذہنی بعد ، معاشرتی ذوق اور ذہنی بیگانگی کو دور کرنے کے علاوہ ثقافتی ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

انسانی فطرت میں نامعلوم کے لیے بے پناہ تجسّس اور کشش رہی ہے، مہم جوئی ، کسی بھی ثقافتی ہیرو کی سب سے بڑی خصوصیت رہی ہے اور دریا کے پار، پہاڑ کے ادھر یا صحرا کو عبور کر کے نئی دنیاؤں اور نئے لوگوں کی خبر لانے والے کو اپنی بستی اور گاؤں کا سب سے بہادر اور سب سے عقل مند انسان تصوّر کیا جاتا تھا ، یہی وجہ ہے کہ سفرنامہ بھی انسانی فطرت کی اسی پہلو کی تسکین کرتے ہوئے مقبول رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ ابتدآ سفرنامہ نگار/ وقائع نویس/ روزنامچہ نویس کے اسلوب میں دور دیس کے لوگوں اور احوال کے ضمن میں مبالغہ غالب رہا ، کیوں کہ اپنی مانوس دنیا سے باہر یک لخت آنکھیں کھولنے والے کو جو مناظر دکھائی دیتے ہیں اس میں واقعیت کمزور بھی ہو سکتی ہے مگر رفتہ رفتہ دنیا کے

بارے میں بڑھتی ہوئی معلومات نے سفرنامہ نگار کے اسلوب کو مبالغے سے پاک کرنا شروع کیا۔

سفرنامے کے فنی لوازم کو زیر بحث لانے سے پہلے سفرنامہ نگار کی منشاء کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر سفرنامہ نگار کسی حاکم یا سرکار کی مصلحت کے تحت وقائع نویسی کر رہا ہے تو اس کے سفرنامے کا رنگ کچھ اور ہو گا، اگر وہ مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد مذہبی سرشاری کے عالم میں کچھ لکھ رہا ہے تو اس کی تصنیف کی فضا مختلف ہو گی اور اگر مصنف تعلیمی نظام، معاشرت اور ثقافت کے تقابل سے دلچسپی رکھتا ہے تو اس کے سفر نامے کے متن کی تشکیل کی ترجیحات مختلف ہوں گی ۔ لیکن اگر سفرنامہ نگار شاعر یا افسانہ نگار ہے تو تخیّل کی رنگینی، نرگسیت کی آنچ اور مبالغے کا عمل دخل صاف دکھائی دے گا۔ اس لئے بنیادی کردار مصنف کا اپنا ہے اور اس کا زاویۂ نظر، زاویۂ فن اور تصنیف کا منشاء نہ صرف کسی سفرنامے کے ادبی یا غیر ادبی ہونے کا تعین کر سکتا ہے بلکہ اس سفرنامے کے ادبی یا غیر ادبی ہونے کا تعین کر سکتا ہے بلکہ اس سفرنامے کی فضا کو تشکیل دینے والے عناصر اور عوامل کو بھی متعین کر سکتا ہے۔

ابتداء میں سفرنامے کی اہمیت کا تعین معلومات کے حوالے سے کیا جاتا رہا ہے اور معلومات بھی جغرافیائی، طبعی، تاریخی اور سیاسی ۔ ظاہر ہے کہ جب تک معلومات کے حصول کے جدید ذرائع سامنے نہیں آئے، سفرنامے کو ہی ہر قسم کی معلومات کا سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی دلچسپی، مقامات، اشیاء اور افراد کے نام جاننے میں نہ رہی، نہ ظاہری کوائف سے آشنا ہونے میں انہماک رہا، نہ بلند و بالا عمارات کشادہ سڑکوں، ڈاک اور ریلوے کے نظام یا اس طرح کے دیگر کوائف بنیادی طور پر مطلوب رہے بلکہ اب طلب اس بات کی ہوئی کہ چینی، مصری، ترک اور انگریز محبت، وفا، مامتا، ایثار، یا دیگر انسانی جذبات یا اقدار کے بارے میں نہ صرف یہ کہ کیا نظریات رکھتے ہیں بلکہ ان کے رویّے کیا

ہیں گویا سفرنامہ نگار سے یہ ذہنی یا جذباتی مطالبہ ہونے لگا کہ اس کی نظر ظاہری کوائف میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ لباس کی تراش خراش اور لفظوں کی چٹاخ پٹاخ اس کے حواس کا احاطہ نہ کرے۔ بلکہ وہ کسی فرد یا معاشرے کی روح میں بھی جھانک کر دیکھے اور یوں سفرنامہ کسی ملک یا دیار کی جغرافیائی یا سیاسی اور سماجی روداد ہی بن کر نہ رہ جائے، اس میں بنی نوع انسان کی روح کا متنوع اور پہلودار منظر نامہ بھی ابھر کر سامنے آئے۔

" سفرناموں کا ادب خصوصیت کے اعتبار سے اس وقت زوال پذیر ہو جاتا ہے جب سفر عام ہو جائے۔ اس غیر افسانوی نثر میں سیّاح ہمیشہ اس سے زیادہ مقامات کا ذکر کر جاتا ہے جتنے اس نے دیکھے ہوں۔ ماضی میں سیّاح ایک مہم جو کی حیثیت میں سامنے آتا تھا یا پھر فن کی تعریف کرنے والے اور خوب صورت مناظر یا پھر عجیب و غریب رسم و رواج کے ناظر کے طور پر۔ " (1)

سفرنامہ لکھنے کے لئے عموماً سادہ بیانیہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض سفرنامے ڈائری یا روزنامچے کی صورت میں، بعض خطوط کی شکل میں اور بعض ڈرامائی خودکلامی کے انداز میں تصنیف کئے گئے۔ عموماً کامیاب سفرنامہ اسے کہا جائے گا جس میں مصنف نے اپنے سفر کے حوالے سے ایک ثقافتی تجربے اور باطنی واردات کو بیان کیا ہو، جس میں تاریخ جغرافیہ سیاست اور سماج کے بارے میں براہ راست گائیڈ بکوں یا اٹلسوں وغیرہ سے مدد لے کر خشک انداز میں طومار اکٹھا کرنے کی بجائے اصناف تخیّل اور جذباتی واردات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اس طرح پیش کیا جائے کہ پڑھنے والے کی جمالیاتی تسکین بھی ہو سکے اور تصنیف کے

1۔ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد دھم، ص 1085

ساتھ تخیّل کا رشتہ قائم ہو سکے اردو میں اس انداز کی بہترین مثال محمود نظامی کا " نظرنامہ " ہے۔ اسی طرح بعض مصنفوں کا اسلوب ہی اتنا مزاحیہ یا دل آویز ہے کہ مقامات کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور مجموعی تاثر، اسلوب کا باقی رہ جاتا ہے۔ اردو میں اس کی روشن مثال ابن انشاء اور مستنصر حسین تارڑ کے ہاں ہے۔

اردو میں سفرنامہ اور رپورتاژ کی اصناف ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئی ہیں، چناں چہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے " اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ " میں اردو کے بعض اہم سفر ناموں کو (نظر نامہ، کالا پانی، لبیک، سفر نصیب) رپورتاژ قرار دیا ہے۔ (ص 10) جناب ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی نے راقم کے ایک استفسار کے جواب میں اپنے مکتوب (بتاریخ 19 مئی 1993ء، اسلام آباد) میں لکھا ہے

" میرے خیال میں رپورتاژ اور سفرنامے میں فرق صرف سفر کا ہے،
آپ کسی کانفرنس کی کارروائی، کسی ملک کی صورت حال پر
رپورتاژ لکھ سکتے ہیں، لیکن سفرنامہ صرف سفر کی رپورٹ ہے۔ "

رپورتاژ بنیادی طور پر کسی وقوعے، کانفرنس، صورت حال کی روداد ہے، دلّی کی بپتا (شاہد احمد دہلوی) پودے (کرشن چندر) ستمبر کا چاند (قرۃ العین حیدر) اور چھٹا دریا (فکر تونسوی) اردو کے اہم رپورتاژ ہیں جب کہ سفر کی روداد میں ایک نئی سرزمین کے ثقافتی و تمدنی و جغرافیائی کوائف کا بیان قاری کے تخیّل اور ذوق تجسس کو آسودہ کرتا ہے، اس لئے سفرنامے کی منشاء، حدود اور فضا جداگانہ ہے، مثال کے طور پر مستنصر حسین تارڑ کا " فاختہ " رپورتاژ ہے، " پیار کا پہلا شہر " ناول ہے جب کہ " نکلے تیری تلاش میں " سفرنامہ ہے۔ حالاں کہ اوّل الذکر تصنیف میں بھی روس کا سفر ہے مگر مصنف کی توجہ کا مرکز وہاں منعقد ہونے والے " یوتھ فیسٹیول " کی سرگرمیاں ہیں۔

یہاں اس سوال کو بھی زیر بحث لایا جا سکتا ہے کہ کیا سفرنامے کا نثر میں ہونا ضروری ہے کیوں کہ بعض محققین نے اردو کے منظوم سفرناموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ (بحوالہ ڈاکٹر انور سدید " اردو ادب میں سفرنامہ ۔ اردو کے منظوم سفرنامے، صفحہ 633 تا 642)

میرے خیال میں ہماری ابتدائی مثنویوں میں بھی مختلف کہانیوں میں سفر کا بیان یا ان کی اساس ہی سفر پر رکھی گئی ہے مگر ناقدین نے انہیں مثنوی ہی کہیں گے۔ اس طرح اگر وہ کسی اور ہئیت میں موجود ہیں تو اسی حوالے سے پہچانی جائیں گی ۔ دوسرے، ہر زبان کا نثری ادب بعد میں وجود میں آیا ہے، اس لیے ابتدائی سفرنامے منظوم بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر اب رفتہ رفتہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ سفرنامہ نثری ادب کا حصّہ ہے اور یہ غیر افسانوی یا " نان فکشن " نثر میں شامل ہے۔

باب دوم

سفرنامے کی روایت

اردو سفرنامے کی روایت

حج کے سفرناموں کی نفسیاتی و تہذیبی

معنویت اور ان کے محرکات

حج کے سفرناموں کی روایت 1980ء سے پہلے

سفرنامے کی روایت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سفرنامہ تو اسی وقت وجود میں آ گیا تھا، جب انسان نے چلنا پھرنا شروع کیا۔ چاہے جس خطّے یا براعظم سے ہی لوگ منسلک تھے، جب بھی وہ سفر اختیار کرتے، اپنی اپنی بولیوں اور زبانوں میں وہ روداد بیان کر دیا کرتے اور یوں سفر نامہ ایجاد ہوا، وسیع تر مذہبی تناظر میں دیکھا جائے تو سفرنامے کا رواج اور ابتدا خود خالق کائنات نے کیا۔ قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ[1] علیہ السلام کے احوال سفر کا شرح و بسط سے بیان کیا ہے، بلکہ اس میں بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت کلیم اللّٰہ نے عالم امکان میں جلوہ افروز ہونے کے بعد اپنی زندگی کا آغاز ہی سفر سے کیا۔ جب ان کی والدہ ماجدہ نے ولادت کے بعد انہیں ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں بہا دیا تھا۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی موقعوں پر انبیاء کرام کے حالات سفر درج ہیں اور انہی حالات اور روداد سفر کی دیکھا دیکھی، علماء کرام اور ادباء نے بھی اسے فروغ دیا اور اس روایت کو آگے بڑھایا۔

سفرنامہ بہت پرانی صنف ہے۔ ہر ادب میں اس کی کئی جہتیں نظر آتی ہیں اور تقریباً دنیا کے ہر ملک میں کئی طرح کے روزنامچے، حالات سفر پر مبنی ڈائریاں اور رپورتاژ مل جاتے ہیں۔ ہم اس سلسلے کو ہندوستان تک ہی محدود کرتے ہیں۔ لہذا قدیم سفرناموں کو تلاش کرنا چاہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہندوستان سے متعلق لکھے گئے سفرناموں میں "سفرنامۂ ہند" بہت پرانا ہے۔ یہ یونانی سیّاح میگاستھنز کی ایسی روداد سفر ہے جس کا دنیا کے قدیم ترین سفرناموں میں شمار ہوتا ہے۔ مصنف تین سو قبل مسیح میں ہندوستان کے مہاراجہ چندرگپت موریہ کے دربار میں بطور یونانی سفیر حاضر ہوا اور ہندوستان میں اپنے قیام

کی روداد سفرنامے کی صورت میں لکھی۔[1] اسی طرح اوائل پانچویں صدی میں چین کا ایک سیّاح فاھیان بدھ رھبانیت کی شاعوں کو محفوظ کرنے کی خاطر ھندوستان آیا اور اپنی یادداشتیں یادگار چھوڑیں۔[2] اسی طرح ایرانی سیّاحوں میں حکیم ناصر خسرو نے اپنی یادداشتیں " دارالمسافرین " کے نام سے لکھیں، اس سفرنامے کا اردو ترجمہ مولوی عبدالرزاق کان پوری نے کیا ھے۔[3] اسی طرح ایک مسلمان سیّاح شیخ ابو عبداللّٰہ المعروف ابن بطوطہ نے مختلف ممالک کے سفر کے حالات کو " عجائب الاسفار " کے نام سے قلم بند کیا۔[4] غرناطہ کا مشہور مسلم سیّاح ابن جبیر اندلسی ھے جس نے 1185ء میں " ابن جبیر کا سفر " کے نام سے سفرنامہ مرتب کیا۔[5] ھندوستان سے متعلق " تزک بابری " بھی قدیم سفرناموں میں شمار ھوتا ھے۔

---

1 تا 5۔ بحوالہ " اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ " از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ،

اردو میں سفرنامہ

یوسف خان کمبل پوش کا سفرنامہ " تاریخ یوسفی " اردو کا پہلا سفرنامہ ہے۔ ڈاکٹر انور سدید " اردو ادب میں سفرنامے " میں لکھتے ہیں کہ

" اس سفرنامے سے پہلے تاحال کوئی ایسا سفرنامہ دریافت نہیں ہوا، جس میں روداد سفر اردو میں لکھی گئی ہو اور سفر بھی مصنف نے اختیار کیا ہو۔ " (ص 18)

اس سفرنامے کو عجائبات فرنگ کے نام سے ڈاکٹر تحسین فراقی اور مظفر عباس، اسی طرح مرتب کر کے سامنے لائے کہ " گرد ابہام چھٹ گئی اور نئے زمانے کے قارئین " نے بھی اس سفرنامے کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ ان دونوں مرتبین میں اولیت کا تنازعہ بھی پیدا ہوا مگر ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب " اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ " میں ثابت کیا ہے کہ " یوسف خان کمبل پوش حیدرآبادی کا یہ سفرنامہ پہلی بار تاریخ یوسفی کے نام سے فیکلٹی علوم مدرسہ دھلی سے شائع ہوا اور سن طباعت 1847ء ہے جب کہ منشی نول کشور نے 1878ء میں اس سفرنامے کا نام تاریخ یوسفی سے تبدیل کر کے عجائبات فرنگ کر دیا۔ " (ص 31)

یہ سفرنامہ نہ صرف اپنے اسلوب کے اعتبار سے جدّت اور ندرت رکھتا ہے بلکہ مصنف کے عقائد سے متعلق بھی دلچسپ معلومات سامنے لاتا ہے۔

اردو کا دوسرا قدیم ترین سفرنامہ " تاریخ افغانستان " ہے جسے سیّد فدا حسین عرف نبی بخش نے لکھا۔(1) یہ ایک جنگی مہم سے متعلق ہے۔ یہ روزنامچے کے انداز میں

1۔ بحوالہ " اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ " از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ص 31

لکھا گیا ہے۔ اردو کا تیسرا قدیم ترین سفرنامہ " سفر فرنگ " از میرزا ابو طالب خان اصفہانی ہندوستانی مزاج لئے ہوئے ہے۔(1) جب کہ چوتھا قدیم سفرنامہ مولوی مسیح الدین علوی خان کا " تاریخ انگلستان " ہے۔ (2)

رفتہ رفتہ زمانہ ترقی کرتا گیا۔ سماج اور معاشرت کو آہستہ آہستہ استحکام نصیب ہوا اور ہندوستان میں خصوصی طور پر مسلمانوں نے اپنی نشاۃ الثانیہ کے امکانات پیدا کئے۔ اس دور میں ہمیں عناصر خمسہ یعنی سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کار کی ادبی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ مذہب اور زبان کی ترویج و توسیع کے لئے کئی ملکوں میں گئے اور اغیار کو اپنے مافی الضمیر سے آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں سرسید احمد خان 1869ء میں برطانیہ گئے ان کے سفر کی یادگار " مسافران لندن " ہے۔ موصوف کا " سفرنامہ پنجاب " سفر سے متعلق دوسری کتاب ہے۔ اس میں غدر کے حالات بھی درج کر دئیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان کے رفیق کار محمد حسین آزاد نے دو سفرنامے لکھے " وسط ایشیا کی سیر " اور " سیر ایران " یہ دونوں سفرنامے، اس صنف کی ترقی کا اضافہ ثابت ہوئے اور لوگوں کو اس فن سے خاصا شغف ہوا۔ سرسید کے شاگرد رشید، مولانا شبلی نعمانی کا " سفرنامہ مصر و روم و شام" پہلی بار 1894ء میں شائع ہوا۔ آہستہ آہستہ سفرنامے کا فن زمانے کے مزاج سے آشنا ہوتا گیا۔ لوگ جس جس ملک یا شہر میں بھی جاتے، وہاں کی طرز معاشرت، رہن سہن اور بود و باش کا عمومی و خصوصی جائزہ اور حالات صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتے اور اس طرح اس فن کو پذیرائی نصیب ہوتی گئی۔
بیسویں صدی عیسوی میں تو اس فن کو چار چاند لگ گئے اور سفرناموں کی پوری کھیپ سامنے آئی۔ اس صدی کے نصف اوّل میں نواب سلطان جہاں بیگم کا " سیاحت سلطانی " نواب لیاقت جنگ کا " سفر یورپ و امریکہ " خواجہ احمد عباس کا " مسافر کی ڈائری " 1938ء، عبدالغفار خاں کا " ایک نادر سفرنامہ " خواجہ حسن نظامی کا " روزنامچہ 1907ء " علامہ راشد الخیری کا

2،1۔ بحوالہ " اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ " از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

" سیاحت ھند "، ملا واحدی کا " دلّی کا پھیرا " اور شورش کاشمیری کا " یورپ میں چار ہفتے " خاصے کی چیزیں ھیں۔ ان سفرناموں نے شخصی حوالوں، مصنفین کی طرز تحریر کی ندرت اور مقاصد سفر کی بوقلمونیوں کے سبب بہت شہرت پائی اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے ادیبوں نے بھی اس پر قلم اٹھانے کی ٹھانی۔

اسی دوران سر شیخ عبدالقادر نے دو مشہور سفرنامے لکھے۔ ان کا پہلا سفرنامہ " مقام خلافت " اور دوسرا " سیاحت نامہ یورپ " ھے۔

سید سلیمان ندوی کا سفرنامہ " سیر افغانستان " 1933ء کے اس سفر سے متعلق ھے جس میں ان کے ھمراہ سر راس مسعود اور ڈاکٹر محمد اقبال بھی تھے۔ آھستہ آھستہ لوگوں کے طرز معاشرت میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ ھندوستان میں سیاسی اور معاشی طور پر کئی تبدیلیاں رونما ھوئیں اور مقامی باشندوں کو سماجی طور پر استحکام نصیب ھوا۔ یورپ سے لوگ کافی تعداد میں ھندوستان کو سونے کی چڑیا تصور کرتے ھوئے آنے لگے اور دیکھا دیکھی ھندوستانی، دوسرے ممالک میں بغرض حصول تعلیم اور معاش جانے لگے اور اس طرح کے خطوط کا سلسلہ شروع ھوا اور آخرکار یہی خطوط اور ڈائریاں سفرنامے کے فن کی ترویج کا باعث بن گئیں۔ چنانچہ اردو سفرنامے کے جدید دور کا آغاز مکتوباتی تحریروں سے ھوا۔ اس ضمن میں سر عبدالقادر، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوھر، سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی، پطرس بخاری، ڈاکٹر محمد باقر اور شریف فاروق کے خطوط، آخرکار سفرناموں کی شکل اختیار کر گئے۔

اردو سفرناموں میں ایک طرف " نظرنامہ " کی بدولت ڈرامائیت اس صنف کا حصّہ بنی اور دوسری طرف اختر ریاض الدین جیسی خوش جمال خاتون کے رومانوی اسلوب سے لبریز " دھنک پر قدم " اور " سات سمندر پار " جیسے سفرنامے بے حد مقبول ھوئے۔ ابن انشاء کی مزاح نگاری نے اردو سفرنامے کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا، ان کے سفرنامے " چلتے ھو

تو چین کو چلیے" ، " آوارہ گرد کی ڈائری " ، " دنیا گول ہے" اور " ابن بطوطہ کے تعاقب میں " یادگار ہیں۔ جمیل الدین عالی اور حکیم محمد سعید نے بھی اپنی جہاں‌گردی اور وافر وسائل کے باعث سفرنامے تحریر کئے۔ یوں اس فن کو عروج تک پہنچا دیا۔ اس جدید دور میں ڈاکٹر وحید قریشی کا " چین کی حقیقتیں اور افسانے" ، عبداللّٰہ ملک کا " ارضِ جنّت " قرۃ العین حیدر کا " گل گشت " ، ممتاز احمد خاں کا "جہاں نما " محمد کاظم کا " مغربی جرمنی میں ایک برس" ، عطاء الحق قاسمی کا " شوق آوارگی "، " مسافتیں " اور ذوالفقار احمد تابش کا " جزیرہ " ایسے سفرنامے ہیں ، جن میں نفسیاتی نقطۂ نظر کے تحت انسان کے باطن میں جھانکنے کی سعی کی گئی ہے اور اس طرح جدیدیت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ گو حالات بیرونی ہیں مگر دل کی دنیا کا بیرونی دنیا سے تقابل نظر آتا ہے۔

آج کا دور کتنا ترقی یافتہ ہے ، موجودہ انسان کے تقاضے کیا ہیں ، مذہب اور سائنس ان تقاضوں سے کس طرح عہدہ برآ ہو رہے ہیں ، ان تمام سوالوں کے جواب ہمیں حکیم محمد سعید کا " یورپ نامہ " سید وجاہت حسین کے چار سفرنامے " لندن کی سڑکیں سونے کی ہیں " " جب میں نے شاہ کا ایران دیکھا " ، " جب میں نے لینن کا روس دیکھا " اور " جب میں نے کویت دیکھا " ریاض احمد ریاض کا " بر سبیل سفر "، محمد حمزہ فاروقی کے دو سفرنامے " زمان و مکاں اور بھی ہیں " اور " آج بھی اس دیس میں " ، افضل پرویز کا سفرنامہ " مسافر نواز بہتیرے "، کرنل محمد خان کا " بسلامت روی " ، اختر ممونکا کا " پیرس 205 کلومیٹر " اور صغرا مہدی کا سفرنامہ " مشاہدات ابن بطوطی " میں بطریق احسن مل جاتے ہیں۔ یہ احباب پاکستانی ہونے کے ناطے، دوسرے ممالک کی سیر و سیاحت کے لئے نکلے ہیں اور وہاں کی بود و باش اور انسانی نفسیات کا موازنہ اپنے ملک کے باشندوں سے کرتے ہیں اور اس روایت میں خاصے کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی طرح جدید دور میں بشریٰ رحمان " براہ راست " نظیر صدیقی " زمے

رواں عصر" ڈاکٹر اعجاز راہی " راستے میں شام" کوثر نیازی " ایک ہفتہ چین میں " اور سید اسعد گیلانی " سفرنامہ ایران " کے سفرناموں میں جو دل کشی اور جاذبیت نظر آتی ہے وہ ان کی تحریر کے ساتھ ساتھ دنیاوی جلال و جمال اور انسانی اقدار کی پاس داری بھی ہے جو آج کے دور کا بنیادی تقاضا ہے۔ شہروں اور ملکوں کے فاصلے سائنس کی ترقی کے سبب خاصے کم ہو گئے ہیں اور اس طرح دنیا کو دیکھنے، جانچنے اور پرکھنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔

حج کے سفرناموں کے محرکات

اردو سفرنامے کی روایت میں حج سے متعلق سفرناموں کا ایک وقیع حصہ شامل ہے، ظاہر ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ہے اور حج کی نفسیاتی اور داخلی معنویت برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بے پناہ ہے، برصغیر کا مسلمان اپنی سر زمین سے وہ انس پیدا نہ کر سکا جو دنیا کے دیگر مسلمانوں کے دل میں اپنے وطن اور اپنی دھرتی کے لئے ہے۔ مصری، ایرانی، ترک عراقی، شامی مسلمان بھی ہیں، عرب بھی ہیں اور اپنی زمین سے بھی ذہنی اور جذباتی رشتہ رکھتے ہیں لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ہمیشہ گھر کا تصوّر مکّے یا مدینے کی سر زمین کے حوالے سے ابھرتا ہے۔ چناں چہ مذہبی عقیدت کے ساتھ ساتھ اس نفسیاتی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جس کے باعث برصغیر کے مسلمانوں کا حرمین شریفین کے لئے سفر ایسا سفر نہیں جو گھر سے کہیں اور جانے کا ہو بلکہ یہ سفر عموماً بے گھری سے گھر تک جانے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شاعروں کی کافیوں، نعتوں اور مناجاتوں میں اسی سر زمین پر آخری سانس لینے اور وہیں پیوند خاک ہونے کی تمنّا مضطرب ملتی ہے۔ اس لئے حج کے سفرناموں کے محرکات کو متعین کرتے ہوئے مذہبی عقیدت کے ساتھ ساتھ بے گھری کے اس نفسیاتی رجحان کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

دوسرے، ماضی میں علم خصوصاً مذہبی علم کا حصول بہت سے علماء کی زندگی کا مقصد رہا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے عموماً اسلامی دنیا کے بار بار سفر اختیار کئے۔ مختلف اساتذہ کتب خانوں اور اصحاب نظر سے فیض یاب ہونے کے لیے دنیائے اسلام میں موجود بہت سے مراکز

کے گرد طواف کیا اور ظاہر ہے کہ ایسے ہر سفر میں حج محور و مرکز بن گیا۔ ایسے علماء کے سفرناموں میں فلسفہ و حکمت، تاریخ اور دینی علوم سے متعلق بصیرت کے موتی بکھرے ہوئے ہیں، ہمارے ہاں کچھ لوگ حج کے سفر سے واپس آ کر جس طرح نمود و نمائش پر توجہ دیتے ہیں اس کا ایک انداز حج کے ان سفرناموں میں موجود ہے جن میں زعم پارسائی گونجتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جس طرح دینی جذبات کے حوالے سے سب سے مقدم سفر (حج) کو جس طرح بعض لوگ مادی منفعت اور حُبِ جاہ کا وسیلہ بناتے ہیں۔ بعض سفرنامے بھی اسی خواہش کے زیر اثر دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم گنتی کے ان چند سفرناموں کے باوجود اردو میں زیادہ تر حج کے سفرنامے ایک قلبی اور باطنی سرشاری کے عالم میں لکھے گئے۔ ان میں مسلمانوں کے اجتماعی لاشعور میں موجود کرداروں، واقعات اور مقامات سے متعلق احساسات، مشاہدے اور تخیّل کی دہلیز پر آ کر ماضی اور حال کو ملا کر ایک مرکب منظر نامہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جیلانی کامران نے حج کے سفرناموں کی روایت بیان کرتے ہوئے نہایت قابل غور نکتہ پیش کیا ہے کہ

> "عالم اسلام میں پیدا ہوتی ہوئی ہر نسل ارض مقدّس ہی میں پیدا ہوتی ہے اور اپنے آبائی وطن سے بہت پہلے اپنے اس روحانی وطن میں وارد ہوتی ہے۔ عالم اسلام کی نسلوں کا بچپن ارض مقدس کی اجتماعی یادداشت کی رہبری میں پرورش پاتا ہے اور عمر کے زیادہ پختہ مقام نظر پر بچپن کی حاصل کی ہوئی اجتماعی یادداشت کی مدد سے آبائی اور روحانی وطن کی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی شکل تاریخ اسی وحدت کی تاریخ رہی ہے۔"

(بحوالہ ماہ نو، نومبر 1978ء)

اصل میں بنیادی بات سفرنامہ نگار کی شخصیت کی ہے کہ وہ اپنے مشاہدے اور واردات

میں سے کیا کچھ اخذ کرتا ھے یا اپنے اس سفر کو کس طرح قلبی واردات بناتا ھے اور اپنے ذھنی و جذباتی تجربے کی ترسیل بھی کماحقہ کر سکتا ھے یا نہیں۔ اسی طرح مصنف کی شخصیت، دیار شوق میں اس کی نفسیاتی کیفیت، مناسک حج کے ظاھری لوازم اور آداب شرعی، عربوں سے پاکستانیوں کی والہانہ محبت کے باوجود یہ انکشاف کہ یہ محبت یک طرفہ ھے، وھاں کے حکمرانوں کی ثروت اور جلال کے ظاھری شواھد مدینے اور مکّے کے جلال و جمال کو سمیٹنے کا ظرف، نمود ذات یا اخفائے ذات کا رویّہ، بیرون بینی یا درون بینی کا اندازہ، راہ شوق کی مسافرت کی لذت اور حاجی کا الحاج اور زائر کہلانے کا شوق اپنی کمزوریوں کا ادراک یا شفاعت پا جانے کا دعویٰ، حج کے سفرناموں کو ایک ھی مقام کا سفرنامہ ھونے کے باوجود جدا جدا اسلوب، آھنگ اور فضا عطا کرتی ھے۔ اگرچہ بہت سے پاکستانی سعودی عرب میں معاشی اسباب کی بناء پر منتقل ھوئے ھیں مگر ان کے دینی لگاؤ اور ملّی نسبت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ھے کہ اب حج کے موقع پر نہ صرف سعودی عرب میں مقیم پاکستانی ذوق و شوق سے شرکت کرتے ھیں بلکہ وہ پاکستان سے اپنے عزیزوں کو بھی سپانسر شپ کے ذریعے حج کراتے ھیں اس طرح ان متموّل پاکستانیوں کو اپنے تاثرات و خیالات رسائل و کتب کے ذریعے شائع کرانے کے وسائل بھی حاصل ھیں۔

حج کے سفرناموں کی روایت

اب ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے حج کے سفرناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔
مسلمان و غیر مسلم سیّاح ، دوسرے ممالک کی سیرو سیاحت کی طرح جب حجاز مقدس تشریف لے جاتے ہیں تو واپس پر آ کر اپنے حالات سفر قلم بند کرتے اور اس طرح حج ناموں کو فروغ نصیب ہوا ، آہستہ آہستہ ان حج ناموں میں کئی طرح کی جدتیں ہوئیں اور یہ فن بھی ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ اس ضمن میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں ، ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب "اردو ادب میں سفرنامہ" میں یوں رقمطراز ہیں

> "حج کے سفرنامے لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ اس کا سلسلہ حجتہ الوداع سے قائم کیا جا سکتا ہے، قیاس غالب ہے کہ ابتدا میں زائرین حج اپنی قلبی واردات کا اظہار زبانی کرتے تھے اور اسی سے دیار محبوب سے روحانی رشتے کا تقدس پیدا کیا جاتا تھا۔" (ص 461)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تاریخ انسانی میں عظیم ترین سفر وہ ہے جو حضور اکرم (صلعم) نے شب معراج حرم گاہ ذات کی جانب کیا اور افراد امّت کا مقدس ترین سفر وہ ہے جو حضور اکرم (صلعم) کی طرف کیا جائے۔ سر زمین حجاز کے سفرنامے اور حرمین شریفین کے ایمان افروز تذکرات سب اسی سفر کی شرح و تفصیل ہیں۔ حج کا سفر بہت باسعادت ہے۔ یہ قلبی جذبات و احساسات کا ترجمان ہے۔ ایک عاشق کا اپنے محبوب سے وصال کی تمنا لے کر جانے کو ہی قرب خداوندی (حج) کہتے ہیں۔ ذوق و شوق ، سوزو گداز اور قلب و نظر کا یہ سفر ایک انوکھا تجربہ ہوتا ہے۔ ایسا تجربہ جو کسی اور سفر سے میسر نہیں آتا۔ اس کے نقوش اس کی ذات پر ثبت ہو جاتے ہیں ، اس کی زندگی کا قیمتی سرمایہ بن جاتے ہیں اور اسے ہمیشہ تسکین پہنچاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر خدا تعالیٰ نے حج کی فرضیت اور

اور اوّلیت کا ذکر فرمایا ہے اور اس حکم کا ادراک سرور کائنات نے اپنے خطبتہ الوداع کے موقع پر کیا۔ لہذا اس وقت سے لے کر آج تک مسلمان دنیا کے گوشے گوشے سے اس فرض اوّلین کی بجاآوری کی خاطر حجاز مقدس پہنچتے ہیں اور پھر بعض سیّاح دوران سفر اور دوران ادائیگی حج، اپنے جذبات و احساسات اور مشاہدے کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیتے ہیں۔ جیلانی کامران "حج کے سفرناموں کی روایت" میں لکھتے ہیں کہ

> "حج کے سفر اور ارض مقدس کی زیارت کو ہمیشہ یہ اہمیت
> حاصل رہی ہے کہ ان کی بدولت انسان دیار محبوب سے
> فیض یاب ہو کر لوٹتا ہے۔ فیض یابی کا عقیدہ ہماری
> مذہبی اور تہذیبی سرشت میں اس قدر گہرا ہے کہ
> دیار محبوب میں گزر کرنا ہی قلب و نظر کی پاکیزگی کا
> سبب بنتا ہے۔"

(بحوالہ رسالہ ماہ نو، دسمبر 1978ء، ص 52)

یورپی ممالک میں آباد مسلمانوں کے جو سفرنامے سر زمین حجاز سے متعلق ہیں ان میں لیوپولڈ ویس محمد اسد کا سفرنامہ سرفہرست ہے۔ اسی طرح انگریزی میں آسٹرین نژاد نو مسلم محمد اسد کا سفرنامہ اے روڈ ٹو مکّہ (*A Road to Mecca.*) جس کا ترجمہ "طوفان سے ساحل تک" ہے، نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ اس میں پرانے وقت کی حج و زیارات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

ان سفرناموں کی روایت کو فارسی زبان میں بھی پذیرائی نصیب ہوئی۔ فارسی میں ناصر خسرو علوی بلخی کا سفرنامہ خاصا معروف ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے 998ھ میں حج بیت اللّٰہ کیا اور سفرنامہ بعنوان "جذب القلوب الی دیار المحبوب" فارسی میں لکھا۔ اس کا اردو ترجمہؐ ہو چکا ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللّٰہ کا سفرنامہ "فیوض الحرمین" بھی فارسی

کا اہم ترین حج نامہ ہے۔

اردو میں سب سے پہلا سفرنامہ حج 1268ھ میں " الصدیق الی بیت العتیق " کے نام سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے تحریر کیا۔ اس دور میں اردو نثر متعدد مدارج طے کر چکی تھی اور سفرنامہ لکھنے کی روایت کو خاصا فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ پھر محمد عمر علی خان کا " زاد غریب " 1880ء کے سفر حج پر مشتمل ہے۔ حج نامے کی اس روایت کو کاظم حسین شیفتہ کے سفرنامے " حرمین الشریفین " نے توسیع دی۔ اس کی زبان بہت سادہ ہے۔حجاج کرام، فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جاتے رہے اور واپسی پر اپنے مشاہدات کو تخلیق کے سانچوں میں ڈھالتے رہے اس ضمن میں خواجہ حسن نظامی کا سفرنامہ " سفر حجاز و مصر و شام " نیاز و عقیدت کی دنیا کا نقش جمیل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا حج نامہ " سفر حجاز " اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں ایک فقیہہ، محدث، مفکر، ادیب اور سیاست دان کا پرتو بیک وقت نظر آتا ہے۔ اسی طرح نشاط النسا بیگم (بیگم حسرت موہانی) کا " سفرنامہ حجاز " بھی بہت مشہور ہے۔

سائنس نے خاصی ترقی کر لی۔ پیدل سفر اور اونٹوں کی یلغار کی جگہ بسوں اور ہوائی جہازوں نے لے لی۔ غرض زمانے/اقدار اور سہولیات میں بدل گئیں۔ حجاز مقدس میں رہن سہن، بودو باش اور معاش میں یکسر انقلاب آ گیا اور چوں کہ سیّاح (فن کار) نے " وہی کچھ پیش کرنا تھا جس کا مشاہدہ ہو، اس لئے سفرنامے کے فن میں بھی بہت تبدیلیاں آ گئیں۔ اب سعودی عرب کی دور قدیم کی کہانیوں کی جگہ نئے حالات و واقعات نے منصب سنبھالا اور یوں حج ناموں میں بھی جدّت اختیار کی۔ اس لحاظ سے مولانا غلام رسول مہر کا حج نامہ " سفرنامہ حجاز " ان کے 1930ء کے سفر کی یادگار ہے۔ اس میں انہوں نے حرم پاک اور مضافات مکّہ کے نقشے بھی پیش کئے ہیں۔ اس دور میں بہت حج نامے لکھے گئے، ان میں چند اہم سفرناموں کا ذکر کرتے ہیں جیسے مولانا مودودی کا " سفرنامۂ ارض القرآن " عمرہ کے سفر کی یادگار ہے۔

انہوں نے حجاز مقدس کو اسی نظر سے دیکھا تھا کہ پھر اس کی روداد تحریر کریں گے۔ تاہم ان کے اس سفرنامے کی زبان پر عربی کی چھاپ بہت زیادہ ہے۔ نسیم حجازی کا سفرنامہ " پاکستان سے دیار حرم تک " نسیم حجازی مشہور ناول نگار ہیں۔ انہوں نے 1959ء میں سرکاری وفد کے ساتھ ایران، ترکی اور سعودی عرب کی سیر کی تھی۔ لہذا اپنے مشاہدات کو ہی سفرنامہ کی چھاپ لگا دی۔ ان کا انداز نگارش بہت دلچسپ ہے اور قدم قدم پر قاری اس سفرنا میں کھو جاتا ہے۔ شورش کاشمیری کا سفرنامہ " شب جائے کہ من بودم " شورش کاشمیری مشہور صحافی ہیں۔ موصوف 14 دن حجاز مقدس میں گزار آئے۔ اس سفرنامے کی سب سے بڑی خوبی وہ لذت آفریں زبان ہے جس کی شعریت دل و نظر پر برابر اثر کرتی ہے اور پڑھنے والا بار بار جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ ممتاز مفتی کا سفرنامہ حج " لبیک " ایسا سفرنامہ ہے جس میں روداد سفر سے زیادہ چودہ سو سال پرانا سعودیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے تشکیک و اثبات کے زاویے پہلو بہ پہلو ابھرتے ہیں۔ یہ ایک غریب الوطن انسان کی روداد ہے جو سعادت حج کے دوران اور زیارت دیار محبوب کے وقت بھی اپنے احساس گناہ سے آزاد نہیں ہوا۔ بہرحال بہت اعلی پائے کا سفرنامہ ہے اور تیکنیکی لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ عبداللہ ملک کا حج کا سفر نامہ " حدیث دل " ایک ہم عصر ذہن کے سفر حج کی حکایت ہے۔ اس میں باتیں دل کی ہیں مگر کیفیت ایک بے نام تڑپ کی ہے۔ انسان، یادداشت اور شناخت کے درمیان منزلوں کے فاصلے کو عبور کرنے کی سعی کرتا ہے اور بچپن کی یادداشت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کا سفرنامہ حج " روداد سفر حجاز " ڈاکٹر ناصر کے مشاہدات حرمین جذب و شوق پر مبنی ہیں۔ اس سفر میں انہوں نے حقیقت حسن اور ماہیت حسن دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک وجدانی نوعیت کا سفرنامہ ہے جس میں مصنف کی پختہ فکری اور جمالیاتی حسّ بدرجہ اتم موجود ہے۔ شمس کاشمیری کا سفرنامہ " جہلم سے عرفات تک " اشرف علی قریشی کا " سفرنامہ حجاز " بے حد مختصر ہے جس میں 1972ء کے سفر حج اور 1979ء کے عمرہ کی روداد پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح محمد شجاع ناموس کا " سفرنامہ حج و حرمین " ادبی طور پر قابل

قدر ہیں اور قاری انہیں پڑھتے ہوئے بار بار ملکوتی انبساط سے ہم کنار ہوتا ہے۔ یہ سب دور جدید کے حج کے سفرنامے ہیں۔ ان میں زبان و بیان بہت واضح اور شفاف ہے۔ حالات سفر اور ادائیگی مناسک حج کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے اور قاری ان سفرناموں کو پڑھنے کے بعد اطمینان قلب محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا حصہ 1980ء تک کے حج کے سفرناموں کا جائزہ ہے، جو آپ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

باب سوم

اردو میں 1980ء سے 1990ء تک، حج کے سفرناموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (یہ ترتیب زمانی لحاظ سے دی گئی ہے)

1۔ حدیث دل از وحیدہ شیم 1980ء

2۔ خطبات ندیم از سیّد عبد المجید ندیم 1980ء

3۔ بلاوا از کرنل افضل کیانی 1980ء

4۔ سیرو سفر از اختر ریاض شیخ 1981ء

5۔ پھر سوئے حرم از صادق قریشی 1981ء

6۔ لاھور سے دیار حبیب تک از سیدہ حمیدہ فاطمہ 1982ء

7۔ باولی بھکارن از بشریٰ رحمان 1982ء

8۔ سفر شوق از فرید پراچہ 1982ء

9۔ سفر فوز وفلاح از خواجہ غفور احمد 1983ء

10۔ مسافر حرم از کرنل غلام سرور 1983ء

11۔ زھے نصیب از زبیدہ حیّی 1983ء

12۔ جمال حرمین از حافظ لدھیانوی 1983ء

13۔ مشاھدات حرمین از سید اسعد گیلانی 1984ء

14۔ نور کی ندیاں از احمد خان درانی 1984ء

15۔ وطن سے وطن تک از سیّد ابوالخیر کشفی 1986ء

16۔ کراچی سے گنبد خضریٰ تک از ڈاکٹر ایچ بی خان 1986ء

17۔ ارض تمنا از غلام الثقلین نقوی 1986ء

18۔ سوئے حرمین از محمد سعید اختر 1986ء

19۔ منزل از ممتاز ظافر 1986ء

20۔ دیار حبیب میں چند روز از ڈاکٹر عبادت بریلوی 1986ء

21۔ عجمی کا حج از اے آر خالد 1986ء

22۔ سفرنامۂ حج از احمد ندیم قاسمی 1988ء

23۔ میرے حضور کے دیس میں از جاوید جمال ڈسکوی 1990ء

24۔ اپنی منزل کی طرف از عاصی کرنالی 1990ء

25۔ رحمان کا مہمان از رفیع الزمان زبیری 1990ء

پچھلے ابواب میں ہم نے سفرنامے کے فن، محرکات اور روایت کو موضوع بحث بنایا تھا۔ اس باب میں پاکستان میں 1980ء سے 1990ء تک لکھے گئے حج کے سفرناموں کا تجزیہ پیش کریں گے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ زمانے میں سائنس کی ترقی کی بدولت نئی سے نئی ایجادات ہوئیں لوگوں کا رحجان دولت کی طرف بڑھا۔ سعودی عرب میں معدنی تیل اور دولت کی ریل پیل کی بدولت لوگوں کی آمد و رفت میں اضافہ ہوا۔ حجاز مقدّس جو کہ مسلمانوں کا مذہبی گہوارہ ہے لہذا لوگوں کا اس دیار مقدس میں جانے کا شوق بڑھتا گیا۔ کچھ فکر معاش کی خاطر اور کچھ مذہبی عقیدت کی بدولت اس خطّہ پاک میں منتقل ہو گئے۔ وہاں عمرے ادا کئے اور مناسک حج کی ادائیگی کے بعد عالم سرخروئی میں واپس پاکستان آئے اور انہوں نے روداد سفر تحریر کیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سن 1980ء سے 1990ء تک پاکستان میں بہت زیادہ حج نامے تحریر کئے گئے۔ اس قدر حج نامے اس سے پہلے نظر نہیں آتے۔ گویا یہ دور اس قسم کی تخلیقات کا سنہری اور زر خیز دور ہے۔ اسی لیے راقم نے اپنے ایم فل کے مقالہ کے لیے بھی انہی دس برسوں پر محیط عرصے کو منتخب کیا ہے۔

ان دس برسوں میں حج کے پچیس (25) سفرنامے دستیاب ہوئے ہیں، میں نے زمانی اعتبار سے ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

حدیث دل -- وحیدہ نسیم

حدیث دل ، وحیدہ نسیم کا عمرہ کا سفرنامہ ہے جسے غضنفر اکادمی ، کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 293 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا حرف اوّل ، ثاقب علی نے تحریر کیا ہے۔ وحیدہ نسیم سائنس کی پروفیسر ہیں اور عرصۂ دراز سے خواتین کو زیر علم سے آراستہ و پیراستہ کر رہی ہیں۔ وہ ایک شاعرہ اور افسانہ نگار بھی ہیں۔

اس سفرنامۂ حجاز کے علاوہ ان کی آٹھ تخلیقات ہمارے سامنے ہیں جن میں پانچ ناول ہیں مثلاً ساحل کی تمنا ، شبّو رانی ، زخم حیات وغیرہ اور دو شاعری کے مجموعے ہیں ، موج نسیم اور نعت اور سلام۔ اسی طرح ایک کتاب ،"عورت اور اردو زبان " ادب کے حوالے سے لکھی ہے، جن میں منفرد قسم کے مضامین ہیں۔ ان سب تخلیقات کو دیکھنے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بلاشبہ وہ اعلیٰ پائے کی ادیب ہیں۔

انہوں نے شروع میں ، اس حج نامے کے دیباچے میں ایک خوبصورت نعت پیش کی ہے۔ اس سے ان کے مذہبی ذوق و شوق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کا پہلا شعر اس طرح ہے

؎ اپنی حدیث دل کی تفسیر کیا لکھوں

اک خواب تھا وہ خواب کی تعبیر کیا لکھوں

ہم جب اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ ایک سچّے عاشق کے گنبد خضرا پر پہنچنے پر جو احساسات ہو سکتے ہیں ، اس کی تفسیر حدیث دل ہے، جہاں قاری بھی مصنفہ کے ساتھ خود کو اسی منظر کا ایک حصّہ سمجھنے لگتا ہے اور جب پیش منظر اور پس منظر کی تمیز کئے بغیر ایک پیاسی نگاہ سبز گنبد کے سحر آفریں منظر میں کھو جاتی ہے تو ہونٹوں پر گنگناہٹ آتا

فطری سی بات ہے۔ یہ تعریف و توصیف دراصل دل کی بے قراری کا اظہار بھی ہوتا ہے اور سکون و ثبات کی علامت بھی۔ یہ اظہار حدیث دل میں جابجا اشعار کی صورت میں موجود ہے جو بے اختیار مصنفہ کی زبان پر آ جاتے ہیں مثلاً ص 16 پر دیکھیں

حاضر ہیں دست بستہ	اُمت کے دل شکستہ
لائے ہیں قلب خستہ	کھنچا ہوا ہے رستہ

لاکھوں سلام تم پر

حج ناموں کی روایت میں، " حدیث دل " کی انفرادیت اس لئے بھی قائم ہے کہ یہاں جذبات، مناظر اور زبان آپس میں گھل مل گئے ہیں اور اس امتزاج سے تحریر کا حسن نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔ جیسے یہاں ملاحظہ فرمائیں، ص 134

" اے حطیم کے گرم پتھرو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم کو بیت العتیق کا قرب نصیب ہے۔ تم گواہ رہنا کہ پاکستان کی ایک ناچیز، کم مایہ، بے بضاعت، تہی دست خاتون جس کے پاس نہ کوئی بڑا عہدہ تھا، نہ رتبہ تھا، یہاں سربسجود ہو کر دعا کی تھی۔"

" حدیث دل " جلوۂ خداوندی کا مظہر ہے، محبت رسول کی نشانی ہے۔ وجود ذات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں جہاں شدّت اشتیاق ہے، وہاں لفظوں کا بہاؤ تیز ہو گیا ہے اور جہاں مصنفہ کوئی منظر دیکھ کر تاریخ کو تصّور میں لے آتی ہے۔ وہاں زبان میں ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ یہاں لفظوں میں ایک احترام تو موجود ہے لیکن روانی نہیں ہے۔ مثلاً ص 168 پر دیکھیں

" نہ ظم و نمود نہ آرائش و زیبائش، نہ کتبوں کا تکلّف، نہ چراغاں کی زحمت نہ گنبدوں کی چھت نہ غلاف کی ضرورت، دور دور تک کچی زمین اور اس طرح پتھر رکھے ہوئے جیسے

بھی گھروندا بناتے وقت رکھ دیتے ہیں۔"

محترمہ وحیدہ نسیم کھلے دل و دماغ کی مالک ہیں بعض اچھے ادیبوں کی طرح ان کے ہاں بھی حسّ مزاح موجود ہے۔ بعض اوقات ایسے چھوٹے چھوٹے فقرے استعمال کرتی ہیں جن سے قاری کا احساس لطافت دوگنا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ سے مصنفہ کی زندہ دلی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مثلاً ص 110 پر دیکھئے

" مرید اور شاگرد سب ہی حیران تھے کہ اسلام کا چھٹا رکن کون
سا ہے۔ آخرکار بزرگ نے فرمایا کہ چھٹا رکن " روٹی " ہے "

اسی طرح ص 29 پر یوں رقم طراز ہیں،

" میں نے قیام پاکستان سے لے کر آج تک " دو مولویوں " کو ایک
بات پر متفق نہیں دیکھا۔ یعنی یہ کہ اگر ان سب کا مسلک
ایک ہوتا تو اسلام کے نام پر ستّر ہزار جماعتیں نہ بنتیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ پوری کتاب میں کوئی بھی باب یا عنوان اور نہ ہی ذیلی عنوان شامل ہے۔ یوں لگتا ہے کہ قاری ناول کا مطالعہ کر رہا ہے، چوں کہ مصنفہ بنیادی طور پر ناول نگار ہیں، اس لئے اس سفرنامے کو بھی اسی کا مشابہ بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں دلچسپی کا عنصر قدرے مفقود ہے اور تھوڑا سا مطالعہ کرنے کے بعد اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے روایتی طور پر عورتوں کی سی عام اور معمولی باتوں کو خوب چٹخارے لے کر بیان کیا ہے۔

دوران مطالعہ کئی جگہوں پر اکابرین کے خوبصورت اور برمحل اشعار استعمال کئے ہیں اور ان سے سفرنامے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے مثلاً ایک جگہ درج ہے کہ

؎ روزمحشر کہ جاں گداز بود   اوّلیں پرسش نماز بود

ص 20 پر غالب کا یہ شعر درج ہے

؎ کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب   شرم تم کو مگر نہیں آتی!!

اسی طرح صفحہ 165 پر علامہ اقبال کا یہ شعر درج ہے

ہ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اردو کے اکثر ادیبوں کے ہاں انگریزی الفاظ کا استعمال ، ان کی فطری کمزوری ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہاں بھی مصنفہ نے کافی انگریزی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ سائنس کی پروفیسر ہیں اور انہیں ہر وقت سائنسی اصطلاحات سے واسطہ پڑتا ہے۔ تاہم بعض جگہوں پر انگریزی لفظ بھی استعمال کئے ہیں جیسے صفحہ 125 پر لکھتی ہیں

" ان خاتون نے ان کے وجود پر روشنی بلکہ " سرچ لائٹ "
ڈالی ۔ جیسے سلمان اپنی ساری جمع پونجی صرف کر کے
" بلیک مارکیٹ " کے داموں میں ..... "

اسی طرح ص 140 پر تحریر کرتی ہیں کہ

" باپ کی تعلیم ، ماں کے دودھ کا اثر تھا ، باپ بیٹوں کے
درمیان " جنریشن گیپ " کا کوئی تباہ کن گڑھا نہ تھا ۔ "

فاضل مصنفہ کے یہاں خوبصورت اور برمحل محاورات جابجا نظر آتے ہیں۔ یہ زبان دانی کراچی اور مضافات میں بہت زیادہ موجود ہے۔ بعض اوقات تو بے ہنگم لمبے لمبے محاورے بھی استعمال کئے ہیں اور کئی جگہوں پر بہت اچھے فقراتی کی کثرت ہے جیسے ص 122 پر دیکھیں

" میں اپنی مخصوص تربیت اور تعلیم کی بنا پر خون کا سا
گھونٹ پی کر رہ گئی ۔ " ..... " توبہ کیجئے کسی کے
کان پر جوں تک نہیں رینگتی ۔ دوسری نے جواب دیا ۔ " (ص 225)

وحیدہ نسیم کو اردو ادب سے گہرا شغف ہے۔ روانی میں بہت کچھ لکھ جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں غیر معمولی طور پر خوبصورت لفاظی موجود ہے۔ الفاظ کی نشست و برخاست پر پورا عبور رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان پر پورا عبور ہے۔ اور بہت برمحل فقرات

اور الفاظ کے سہارے اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے۔

مصنفہ کے ہاں جب جدائی کا کرب ناک لمحہ سامنے آتا ہے تو جو حالت جدا ہونے کی ہوتی ہے، اس کا اظہار حدیث دل کے اختتامی صفحات میں ہوا ہے۔ یہاں ان پر ایک خاص قسم کی رقت طاری ہو جاتی ہے۔ انہیں جہاں مذہب سے لگاؤ ہے وہاں اپنے ملک اور قوم کی محبت بھی دل میں موجود ہے جس کا اظہار اس طرح ہوا ہے

" خدا مجھے یہاں صرف عبادت اور بے لوث عبادت کے لئے بار بار لائے لیکن میں اس پاکستان کو نہیں چھوڑ سکتی جو ہماری ملت کی بے تحاشا قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ جس کی سرحد ہم نے اپنے خون سے بنائی ہے ...." (ص 293)

خطبات ندیم -- سیّد عبدالمجید ندیم

المکتبة الباسط -- پاکستان

سن اشاعت -- اکتوبر 1988ء

یہ حج کا سفرنامہ ہے۔ سیّد عبدالمجید ندیم جنرل سیکرٹری ، مجلس تحفظ حقوق اہل سنّت پاکستان نے اگست 1979ء میں اپنے انگلینڈ کے دورے اور سفر حرمین کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے پانچ خطبے بھی دئیے تھے جو اس رپورٹ میں شامل ہیں۔ ندیم نے تقریباً 25 دن حرم شریف میں گزارے -

کتاب کے شروع میں مقدمہ درج ہے اور شروع میں ہی دیار حبیبؐ کا ذکر ہے اور مولانا یوں رقمطراز ہیں " جہاز سے باہر آئے ، حجاج کرام کی فوج ظفر موج دیکھی جو بے یارو مددگار گھوم رہی تھی ۔ دور دراز سے آئے ہوئے یہ لوگ پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے ..... "

انہوں نے 16 اکتوبر 1979ء کو ائر پورٹ سے سامان وصول کیا اور پھر سیدھے ریاض الجنۃ میں گئے جہاں عرب مقدس بخیریت پہنچنے پر نوافل ادا کئے۔ نماز عصر کے بعد مدرسہ علوم شرعیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور کچھ لمحات اس درویش کی محفل میں گزارنے نصیب ہوئے۔ "

بظاہر یہ حج نامہ مختصر ہے مگر مناسک حج پوری دلجمعی سے ادا کئے گئے ہیں۔ قدم قدم پر ان کی عربی دانی کا احساس ہوتا ہے۔ سفرنامے کو بالکل تاریخ کے سے انداز میں تحریر کیا ہے مگر دلچسپی کا عنصر مفقود نہیں ہونے دیا ، بہت سلیس زبان میں تحریر کیاہے۔

عربی زبان اور اس کی گرامر کا خاصا خیال کیا گیا ہے۔ مصنف سے اس لحاظ سے قطعاً کوئی سہو نہ ہوا ہے اور عربی زبان بعض جگہوں پر خاصی رواں سے لکھی گئی ہے۔ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

> " 18 اکتوبر اس جگہ گئے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا تھا یعنی ثقیفہ بنو ساعدہ اس جگہ اب بہت ہی خوب صورت باغ ہے، بہت دلکش پھول اگے ہوئے تھے اور خاصے جاذب نظر تھے۔"

اسی حج کی مفصل رپورٹ میں ہر روز کی مصروفیت کا کماحقہ جائزہ پیش کیا گیا ہے مثلاً " 19 اکتوبر، جمعہ کا دن تھا، سارا دن مسجد نبوی کے صحن میں ذکر الہی میں مصروف رہے۔" .... " 20 اکتوبر مسجد نبوی کے قرب و جوار کو دیکھنے میں گزارا۔ کتنی اعلیٰ شان عمارتیں معرض وجود میں آ گئی ہیں جو ہر وقت مسجد کے گنبدوں کے سامنے سر نگوں، خدا ربّ العزت کی وحدانیت کا ذکر کر رہی ہیں۔ یہاں دو خطبات پیش کئے، یہاں سے آگے اپنا پورا روزمرہ درج فرمایا ہے۔ ڈائری پیش کرتے کرتے 8 ذوالحجہ تک کے حالات کا کماحقہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔ اس روز دوسرے حجاج کرام کے ساتھ منیٰ کے لئے روانگی ہوئی۔ ابھی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی کہ باران رحمت کا نظارا دیکھنے کو ملا یعنی خوب موسلا دھار بارش ہوئی۔ سب کپڑے بھیگ گئے اور حجاج کرام کشاں کشاں، منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے بعد مزدلفہ پہنچے۔ شیطان کو کنکریاں مارنے کا عمل، جمرات اور قربانی سب کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ یہاں پھر خطبہ پیش کیا۔ مولانا شدید تشنہ ہی اور تیزی سے حج کے ارکان ادا کر رہے تھے ان کے دل میں واقعی سرور تھا۔ اس موقع پر انہوں نے عربی کے چند شعر بھی درج فرمائے ہیں اور اپنے مداحوں کو خطاب کیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ قربانی کے بعد قربانی کی۔ یہ منظر بھی قابل دید ہوتا ہے۔ ہر حاجی اسی فکر میں مست نظر آتا ہے۔ پھر سر منڈوائے اور واپس اپنے خیموں میں آ کر غسل کیا۔ پھر حسب طریقہ حج، احرام اتار جاتے ہیں اور طواف زیارت

کیا جاتا ہے۔

12 ذوالحجہ کو پھر رمّی کے مراحل سے گزرے یہ منظر ایسا تھا کہ سوائے حسرت کے اور کچھ بھی دل میں ارمان نہ رہا۔ بار بار یہی دعا دل سے صدا بن کر ابھرتی کہ آئندہ بھی ہم اس پاک جگہ اور پاک عمل کے لئے حاضری دیتے رہیں اور اپنے خالق کے سامنے سرخرو رہیں۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ 7 نومبر، کو سیٹ کنفرم ہوئی اور ہم واپس پاکستان تشریف لے آئے۔ یوں یہ 17 صفحات پر مشتمل حج کی روداد تھی۔ جو 25 دنوں پر محیط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب سے متعلق معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں مگر ادبی لحاظ سے قاری کسی بھی جگہ تشنگی محسوس نہیں کرتا۔ جس طرح تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے دلچسپی قائم رہتی ہے، یہاں بھی ہم اسی طرح دلجمعی کے ساتھ محو مطالعہ رہتے ہیں اور یہ ان کی بہت اہم خوبی ہے۔

بـلاوا ـــ افـضل کـیانـی

" بلاوا " لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) افضل کیانی کا حج نامہ ہے اسے بک کارنر جہلم پاکستان نے چھاپا ہے۔ یہ 230 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا دیباچہ (پیش لفظ) سـیّد ضمیر جعـفری نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں سعدی کا شعر درج ہے :۔

می نگویـم طاعـتم بپـذیر　　　　قلم عـفو بر گـناہ ، ہم کش

یہ سفرنامہ لکھنے کا مقصد و غایت خود فاضل مصنف کتاب کے شروع میں کرتے ہیں ، وہ فرماتے ہیں کہ

> " بلاوا ۔ ایک سفرنامے کے انداز میں قارئین کی نذر ہے۔ اس میں ذاتی مشاہدات و احساسات کو پیش کیا ہے۔ مقام اور مرتبے کو بالائے طاق رکھ کر ایک عام حاجی کی حیثیت سے مراحل اور مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ اس تحریر کی ورق گردانی اگر کسی صاحب دل کی رہنمائی کرنے میں مددگار ثابت ہوئی تو مجھے حاصل زندگی مل جائے گا۔" (ص 8)

فاضل مصنف کی اس سے پہلے دو تصنیفات منظر عام پر آئی ہیں۔ ان میں سے پہلی تصنیف " متاع قفـس" ہے جو انـڈیا میں قید و بنـد کے دوران لکھی گئی ۔ یہ بھی ایک طرح کا سـفرنامہ ہے اور اس میں افضل کیانی نے اپنے تجربات و مشاہدات کا گراں قـدر سرمایہ قارئین کی نذر کیا ہے۔ اس میں ادبـی چاشنی کا بطور خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب " تکمیل انسانیت " ہے۔ اس میں انھوں نے کمال عرق ریزی سے مختلف قرآنی احکامات کو عنوانات

کے تحت نام بہ نام جمع کر دیا ہے۔ یہ ایک گراں قدر علمی اور دینی خدمت ہے۔ اور اس کی اگلی کڑی " بلاوا " ہے۔ اس میں انہوں نے روایتی چاشنی کا لحاظ رکھا ہے اور قواعد زبان کا بطور خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ بقول سیّد ضمیر جعفری

" اس کتاب (بلاوا) کے مطالعے سے جہاں تزکیۂ نفس کی لذت ملتی ہے وہاں تصفیۂ آفاق کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ " (ص 13)

بلاوا ۔ اس لحاظ سے کرنل محمد افضل کیانی کا بہت دلچسپ حج نامہ ہے کہ یہ کتاب حج اگرچہ مصنف نے اپنے مشاہدات اور تجربات سفر کے خوشگوار و ناخوشگوار واقعات کو اس انداز سے سپرد قلم کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے اور مستقبل کا تجسس جذباتیت کا شکار ہو جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے اپنے مشاہدات کو درج ذیل سات عنوانات کے تحت قلم بند کیا ہے جس وجہ سے ایک سفرنامہ کے ساتھ ساتھ ایک مفید اور کار آمد کتاب کی جملہ خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ انہوں نے ہر عنوان میں قابل قدر معلومات پیش کی ہیں۔

پہلا عنوان " بلاوا " ہے، اسی وجہ سے کتاب کا نام بھی بلاوا رکھا ہے۔ اگرچہ مصنف نے اس عنوان کو فہرست عنوانات کے تحت تو لکھا ہے لیکن عام ادیبوں کی طرح، اس کو کتاب کے پہلے باب کی زینت نہیں بنایا اور صرف اچھوتے پن کا اظہار کرتے ہوئے اس کا دوران باب ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

" ہر مسلمان اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ خدا کی ذات اور اس کے حبیب جب چاہتے ہیں تو اپنے گھر اور در پر حاضری دینے کے مواقع پیدا کر دیتے ہیں جن خانۂ خدا اور رسول مقبول کے دربار میں حاضری بغیر بلاوا کے کبھی نہیں ہو سکتی۔ " (ص 15)

مصنف نے اس میں تیاری کے مراحل کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ یہ سفر واقعتاً ایسا ہے کہ اس کے لئے ہمہ قسم کی تیاری مطلوب ہوتی ہے کیوں کہ حج زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے۔ ظاہر ہے جو فرض زندگی میں صرف ایک دفعہ ادا ہو اس کی ادائیگی کے طریقۂ کار کو سیکھنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ کرنل صاحب لکھتے ہیں کہ لائبریریوں اور بک سٹالوں کے چکر لگائے تاکہ حج کی معلومات کے بارے میں کوئی مفید کتاب ملے تو اسے خریدا جائے۔ مصنف نے اس باب میں ممتاز مفتی کی کتاب " لبیک " کا ذکر کیا ہے۔

" ممتاز مفتی صاحب کی تصنیف " لبیک " کی گرد ایک بار پھر جھاڑی اور قدرے باریکی سے اس کی ورق گردانی شروع کی۔ " خدا کا کوٹھا " میری نظروں کے سامنے ابھرنا شروع ہوا، اس کے خد و خال کالے غلاف کے اندر ڈھکے چھپے ہی رہے۔ میرے تحت الشعور میں ایک نمایاں تبدیلی نے جنم لیا۔ خانۂ خدا کی تصویر دل میں اترتی چلی گئی۔ محو خواب ہو کر بھی ایک بیتابی اور بے چینی سی رہتی اور یہ فکر دامن گیر ہوتی کہ خداوند کریم اس مستعار زندگی کو اتنا طول ضرور دیں کہ میں اس کے گھر جا کر اپنی جبین اس کی دہلیز پر رکھ سکوں۔" (ص 41)

کرنل صاحب نے " بلاوا " میں اپنی جذباتی کیفیت کو ایسے ادیبانہ انداز میں اور الفاظ کا روپ و لبادہ دیا ہے کہ قاری بھی دوران مطالعہ چند ساعتوں کے لئے اپنے آپ کو مدینہ کا راہی تصور کرتا ہے اور کیفیات کو اپنے بدن میں برقی رو کی طرح رواں دواں محسوس کرتا ہے۔

کرنل صاحب نے چند حقائق سے بڑی صفائی سے پردہ ہٹایا ہے، مثلاً معلمین کی اوّلاً میٹھی شیریں باتیں، اعلیٰ رہائشی انتظامات، موزوں ذرائع نقل و حمل لیکن جال میں پھنسانے

کے بعد وہ بیچارے اجنبی حجاج کرام سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور پھر کسی قسم کی پرواہ نہیں کرتے۔

اس کے بعد اگلا باب " ارض مقدس میں ورود " سے متعلق ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں جدّہ (سعودی عرب) پہنچنے کے تاثرات کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہاں ان تلخ تجربات کی نشان دھی کرتے ہیں جو دوران سفر پیش آئے۔ پاکستانیوں کی بد نظمی کا ، جو ہماری عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ خاصے دل دوز انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ مصنف زبان کی اہمیت کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں۔ بلاشبہ زبان کی تفہیم کے بغیر آدمی بے بس ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب کوئی شخص، کسی دوسرے ملک میں نو وارد ہو اور ان کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے وہ زبان رکھتے ہوئے بھی گونگا ہوتا ہے اور گونگے بہرے کی طرح اشاروں کی زبان کا سہارا لیتا ہے جس میں اسے عجیب و غریب حرکات و سکنات سے مدد لینا پڑتی ہے۔ اس مثال کے ذریعے کبھی وہ اپنا مدعا دوسروں کے ذھن میں بٹھا کر خوش ہوتا ہے اور کبھی اپنا مافی الضمیر نہ سمجھا کر پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ یہاں مشورہ دیتے ہیں کہ اس بارے میں اگر کسی کا عمل اچھا ہو تو اس کی ضرور تقلید کرنی چاھئیے، بے شک یہ عمل زندگی کے کسی بھی میدان سے متعلق ہو اور ہمیں ان لوگوں کی مروّجہ اقدار کا لحاظ رکھنا چاھئیے۔ وہ حجاج کرام کے جملہ ذاتی سامان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> " ان کا ذاتی سامان ہم لوگوں کے بوجھ سے بہت کم لگتا تھا۔
> ہمارے نزدیک انڈونیشیا کے حجاج کا بھی عارضی قیام تھا۔
> ان کا ضروری سامان ایک ہی قسم کے کٹ بیگ میں رکھا ہوا
> تھا۔ ہر حاجی اپنے کوائف کا اندراج کرانے کے بعد ایک بیگ
> اٹھا لے جاتا۔ اس کو کتنی آسانی تھی اور وہ کتنے مختصر ذاتی
> سامان کے ساتھ اس فریضۃ کو ادا کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ ایسا
> عمل قابل تقلید ہے۔" (ص 97)

اگلا باب " ایام حج " سے متعلق ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کا مصنف نے بہت بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنے تجربات کو دوسروں کے لئے راہنما بنایا ہے۔ اس کے ساتھ، وہ وہاں کی معاشرتی زندگی پر بھی سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں کہ

" کئی دکانوں کے آہنی دروازے یا لکڑی کے پھٹے نہیں تھے بلکہ صرف دروازے کے آرپار ایک کپڑا تان دیا گیا تھا ۔ اس قدر آسان اور سادہ انتظامات کے باوجود چوری کا خطرہ نہ مالک کو تھا اور نہ انتظامیہ پریشان تھی ۔ " (ص 67)

بیت اللہ شریف کا ذکر ایسے دلکش ا پیرائے میں کیا ہے کہ انسان روحانی طور پر اپنے آپ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے محسوس کرتا ہے، لکھتے ہیں

" خانۂ خدا کا یہ کتنا بڑا احترام ہے کہ شمعِ محمدی کے پروانے سنّت ابراہیمی کی ادائیگی ایک منظم اور پر وقار طریقے سے ادا کرتے ہیں ۔ یہ مقام طواف کرنے والوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا ۔ دنیا میں باقی جتنی بھی معبد ہیں وہ کسی نہ کسی وقت مذہبی رسوم کی ادائیگی سے خالی ہوتے ہیں۔ مگر میرے اللہ کے گھر کی شان نرالی ہے جس گھر کے طواف کو انسان ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کے ساتھ چودہ سو سال سے ادا کر رہے ہیں۔ یہ ان پر موقوف نہیں بلکہ فرشتے بھی لگاتار آمد و رفت میں مشغول ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دنیاوی جاہ و حشم اور لوازمات یکسر ذہن سے خارج ہو جاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان فاصلے کم ہوتے جاتے ہیں ۔ روئے زمین پر دربار خداوندی لگا رہتا ہے اور پروردگار کا ظہور آیت الکرسی کی آیات سے چھنتا

نظر آتا ہے۔" (ص 89)

کرنل کیانی " حجاج کی مصروفیات " کے ضمن میں ایک شکوہ بھی کرتے ہیں کہ ہمارے پاکستانی بھائی اکثر اوقات نماز کے بعد دوکانوں کی تانک جھانک میں گزارتے ہیں جب کہ دیگر ممالک کے حجاج کا اچھا انتظام ہوتا ہے۔ گروہوں میں کھانا پینا، چلنا پھرنا، وغیرہ، جس سے کسی کو تکلیف نہیں ہوتی " اس کے بعد مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ " مدینۃ منوّرہ میں سلامی " کے لئے تشریف لے گئے۔ روضۂ رسولؐ پر حاضری دی۔ وہ سماں قابل دید تھا۔ آنکھیں نم ناک تھیں اور دل سرخرو تھا۔ اس ضمن میں وہ بہت جذباتی انداز اختیار کرتے ہیں اور پھر آخری باب " مراجعت " کا ہے۔ وہ بادل نخواستہ واپس کراچی روانہ ہو جاتے ہیں۔

" بلاوا " میں موصوف نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کو دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ان تمام مراحل کا ذکر کیا ہے جو ایک عام حاجی کو در پیش ہوتے ہیں، اس میں الفاظ و محاورات بہت خوبصورت انداز میں پیش کئے گئے ہیں اور ادبی لطافت کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ انہوں نے یہ حدیث شوق، دیہات کی سادگی، فوجی صداقت اور داخلی دردمندی سے پیش کی ہے۔ ان کے اسلوب میں ایک خاص نوع کی جاذبیت بھی موجود ہے جو خلوص اور کشادہ نظری کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔

سیر و سفر -- اختر ریاض شیخ

"سیر و سفر" اختر ریاض شیخ کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے سنگ میل/ساگر اکادمی لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ٹائیٹل ہلکے عنابی رنگ پر مشتمل ہے اور اس کے صفحات 176 ہیں۔ انہوں نے یہ حج 1973ء میں کیا تھا اور یہ پہلی بار کتابی شکل میں 1981ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں افریقہ، ایشیا اور یورپ کے کئی ممالک کی سیر درج ہے۔ مصنفہ چین سے واپسی پر پاکستان پہنچیں اور پھر فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حجاز مقدس روانہ ہوئیں۔

اس کتاب میں سے 32 سے 41 تک صفحات، سفر حج و زیارت کے لئے مختص ہیں۔ اس کا پیش لفظ محمد سرور نے تحریر کیا ہے، جن کا تعلق لاہور سے ہے۔ وہ اس میں فرماتے ہیں کہ ریاض شیخ کی لاہور میں ربڑ فیکٹری ہے۔ موصوف کو یورپ میں ہونے والی صنعتی نمائشوں کے دعوت نامے آتے رہتے ہیں۔ ان کی بیگم اختر ریاض شیخ سیکرٹری کی حیثیت سے ساتھ جاتی ہیں۔ یہ اصل میں ان کی بیگم کی ڈائری کے ورق ہیں جو انہوں نے چھپوائے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سفر کے معاملات میں، مشاہداتی اعتبار سے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا ہے۔ عورتیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی جزئیات تک پیش کرنے کو فخر سمجھتی ہیں جب کہ مرد حضرات بہت ساری عمومی باتوں کو بھی قابل بیان نہیں سمجھتے۔

عورت کی زندگی قدرے محدود ہوتی ہے جب کہ مرد آزاد منش اور آزاد خیال تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا اس سفرنامے میں مصنفہ نے عمومی باتوں کی تفاصیل پیش کر دی ہیں جب کہ حقیقی طور پر حج سے متعلق سفرنامہ محض دو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں محمد سرور اس حج نامے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

" ڈائری میں کہیں الجھاؤ نہیں اور نہ خواہ مخواہ باتیں بنانے
کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈائری نویس نے جو دیکھا، قلم بند
کر دیا اور جو تاثرات ہوئے بلا کسی پیش کے لکھ دیئے۔ بیگم
شمیم ریاض نے سادہ زبان اور سادہ اسلوب میں اپنے سفروں کی
مختصر روئیداد بیان کر دی ہے اور اس دوران میں جو تجربات
ہوئے، وہ کسی تکلف کے بغیر سمیٹ لئے ..." (ص ط)

عورت ہونے کے ناطے، مصنفہ نے زندگی کے عمومی پہلوؤں کا تذکرہ خاصے دلچسپ انداز میں کیا ہے اور طبعی باتوں کی تفاصیل بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً کئی جگہوں پر وہ موسم کا حال بیان کرتی ہیں۔ دوران سفر، کھانے پینے کی اشیاء کا تذکرہ بھی ملتا ہے، اسی طرح حجاز مقدس میں مکان کے کرایوں کا تذکرہ دوران سفر ٹیکسی کا خرچہ، معلم کا نام (مکی مرزوقی) اور معلمے کا نام (شامی) بہت چٹخارے لے کر بیان کرتی ہیں۔

اصل میں یہ عورتوں کی نفسیات ہے۔ وہ بولنا چاہتی ہے اپنا مافی الضمیر بیان کرنا، عورت کی فطرت ہے اور پھر زیب داستان کے لئے لچھے دار مواد بھی اس کی فطری مجبوری تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے شروع میں اس واقعہ کی تفصیلی روداد بیان کی ہے کہ کس طرح کراچی ائیرپورٹ پر ایک شخص، ایک بزرگ خاتون کو ان کے حوالے کر گئے کہ جدّہ میں اسے ان کے بھائی تک پہنچا دیں اور وہ جدّہ پہنچ کر خاتون سے بچھڑ گئی وغیرہ وغیرہ

اس حج نامے میں حج سے متعلق معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مصنفہ نے راستے میں دوران سفر جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا، اسے من و عن بیان کر دیا ہے۔ مصنفہ اس سفرنامے میں کئی جگہوں پر عرب شریفہ میں موجود، دوسرے ممالک کی خواتین کا تذکرہ بہت دلچسپ انداز میں کرتی ہیں مثلاً ص 39 پر یوں رقم طراز ہیں

" یہاں ہر سب ملکوں کی عورتیں دیکھنے بلکہ ان کے ساتھ رہنے

کا اتفاق ہوا۔ دیکھنے میں آیا کہ ملیشیا کی عورتیں بہت صلح
کل ہیں .... افریقی ملکوں کی عورتیں تو ہتھنیاں لگتی ہیں۔"

(ص 39)

اگر ہم ادبی طور پر اس سفرنامے کی اہمیت بیان کرنا چاہیں تو اس نتیجۃ پر پہنچے ہیں کہ فاضل مصنفہ نے رسمی طور پر بعض محاورے استعمال کئے ہیں، ان کا مشاہدہ بہت عمیق ہے اور لفاظی، زیادہ نہیں ہے۔ عام روزمرہ اور محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ انہوں نے محض تبرک کے طور پر جو محسوس کیا ہے، اسے تحریر کر دیا۔ لہذا ادبی طور پر یہ کوئی دلچسپی کا موجب نہیں ہے اور نہ ہی ادبی چاشنی یا اردو محاورہ چٹخاروں کے ساتھ ملتا ہے۔

پھر سوئے حرم ـــ صادق قریشی

" پھر سوئے حرم" حج کی روداد ہے، جو روزنامہ " نوائے وقت" میں اسی عنوان سے اٹھارہ قسطوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب 146 صفحات پر مشتمل ہے جسے " سیلانی کی ڈائری " کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ اسے دارالادب، ادارہ نے 26۔ بی ٹو مسلم ٹاؤن لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

یہ کتاب 146 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے ٹائٹل پر مصنف کی خوبصورت تصویر ہے جس میں وہ خانہ کعبہ کے سامنے احرام باندھے خدا تعالٰی کے حضور دعاگو ہیں۔ کتاب کے شروع میں علامہ اقبال کا یہ شعر تحریر کیا گیا

ـہ بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

صادق قریشی صاحب طرز ادیب ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کا قلم خاصا رواں ہے اور وہ کھلے دل اور روشن آنکھوں سے مشاہدات زندگی رقم کرتے ہیں۔

اس کتاب کے اٹھارہ ابواب ہیں، ان ابواب میں مصنف نے حرم شریف اور حج اقدس سے متعلق معلومات کا ذخیرہ پیش کیا ہے۔ دراصل انھیں اس سے پہلے بھی عمرہ کرنے کا موقع مل چکا ہے،لہذا اپنے تجربات کی روشنی میں اس بار وہ کسی غفلت کے مرتکب نہیں ہوئے اور اپنے قارئین کو اپنے شانہ بشانہ شامل مشاہدہ کیا ہے۔ ساری کتاب میں جگہ جگہ بہت خوبصورت اور معلومات سے پر تصاویر شامل کی گئی ہیں۔

ہم یہاں ان ابواب کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں، پہلا باب " پھر سوئے حرم " کے نام سے ہے۔ مصنف نے کراچی سے احرام باندھنے سے لے کر سعودی عرب میں حرم شریف پہنچنے تک کے تمام واقعات بہت چابک دستی سے قلم بند کئے ہیں۔ اس کے علاوہ حرم شریف کے بارے میں خاصی دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں مثلاً" حرم کے چاروں طرف سات پر شکوہ مینار سنتریوں کی کی طرح کھڑے ہیں۔ تینوں بڑے دروازوں پر دو دو مینار کھڑے ہیں اور ساتواں مینار صفا کے گنبد کے ساتھ ہے۔ ہر مینار پر ایک سنہری ہلال نصب ہے جو کرّوں سمیت 18 فٹ بلند ہے موجودہ توسیع سے پہلے [redacted] حرم کا رقبہ 3 لاکھ 13 ہزار مربع فٹ تھا جو اب 17 لاکھ 28 ہزار مربع فٹ ہو چکا ہے۔ مسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ) اب ایک شاندار دو منزلہ عمارت ہے جو حرم پاک کا حصہ ہے۔ صفا سے مروہ تک لمبائی 1312 فٹ اور چوڑائی 66 فٹ ہے۔ اس عمارت کے 6 دروازے ہیں۔ حرم پاک کے کل دروازوں کی تعداد 64 ہے۔ اس توسیع پر 13 لاکھ 13 ہزار مربع فٹ سنگ مر مر صرف ہوا۔ ایک اور اہم اقدام حرم پاک کے نیچے ڈرینج کی تعمیر ہے۔ اب سترہ اٹھارہ فٹ گہرائی پر ایک زمین دوز ڈرین بنایا گیا ہے، جو مسعیٰ سے شروع ہو کر حرم کے نیچے سے ہوتا ہوا نیچے ہی نیچے محلہ مسفلہ کی طرف نکل جاتا ہے۔ ان تمام تعمیراتی کاموں کو سعودی حکومت نے [redacted] پچیس سال کی مدت میں 2 ارب 40 کروڑ روپے کے خرچ سے مکمل کیا ہے۔ کعبہ کا نام اس کی تکعیب یعنی مکعب ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ بادی النظر میں اس کا طول، عرض اور اونچائی برابر نظر آتی ہے مگر یہ مکعب عمارت نہیں۔ سونے کے دروازے کی طرف شمال مشرق کی دیوار اور اس کے مقابل کی دیوار 40،40 فٹ لمبی ہیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک اور اس کے بالمقابل حطیم والی دیواریں 35،35 فٹ لمبی ہیں اور سب دیواروں کی اونچائی 50 فٹ ہے" اس باب کے آخر میں مصنف حجر اسود کو چومنے سے متعلق اور طواف کعبہ سے متعلق بہت دلچسپ باتیں لکھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ یہاں پر انسان صرف اور صرف حقیقت اولیٰ کی خاطر حاضر ہوتا ہے۔ اس مقام پر انسانی بے تابیوں بے پناہ عقیدت اور مذہبی جوش کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور دھکم پیل اور بے پناہ رش اور

ہجوم بھی اسے اس طواف سے دور نہیں کر سکتے۔

دوسرا باب "عرب میں دولت کی ریل پیل" سے متعلق ہے۔ مصنف نے سعودی عرب کا نقشہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب یہاں تیل دریافت نہیں ہوا تھا، اس وقت عرب شریف بالکل پس ماندہ تھا۔ تمام چیزیں بہت مشکل سے اور مہنگے داموں ملتی تھیں لیکن جب سے سعودی تیل کی دریافت ہوئی ہے، دنیا کی سب نعمتیں یہاں آسانی سے دستیاب ہیں۔

اس کے بعد خانہ کعبہ شریف کا ذکر کیا ہے، جو یہی چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی بنیادیں رکھیں۔ انہیں خدا تعالی کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ لوگوں کو حج کے لئے پکارو کہ وہ اس گھر کی جانب دور دراز رستوں سے پیدل اور سواریوں پر آئیں۔ عہد رسالت سے پہلے قصی بن کلاب نے اس گھر کی عمارت کی تعمیر نو کی۔ عہد نبوی میں خانہ خدا اسی صورت میں موجود رہا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مسجد کی توسیع کی۔ خانہ کعبہ نشیب میں واقع تھا۔ بارش کا سارا پانی ادھر اکٹھا ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے 683ء میں خانہ کعبہ میں ایک دوسرا دروازہ مغربی جانب لگایا۔ عباسیوں کے عہد میں حرم میں مزید توسیع ہوئی۔ عثمانیوں کے دور میں سلطان سلیم اور سلطان مراد مسجد الحرام کے برآمدوں پر گنبدوں کی صورت میں چھتیں ڈال دیں جو آج بھی موجود ہیں۔ حرم کی تازہ ترین توسیع سعودی حکومت نے آج سے پچیس سال پہلے شروع کی جو تین مرحلوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ اب مسجد کا رقبہ ساڑھے پانچ گنا بڑھ گیا ہے۔ خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کا قرآن مجید میں پندرہ مرتبہ ذکر آیا ہے۔

اس کے بعد مسجد نبوی کا ذکر کیا ہے۔ اسلام کے اس اوّلین صدر مقام کے وسط میں حرم نبوی اپنی پوری رعنائی اور دلآویزی سے جلوہ فگن ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر 1950ء سے 1955ء تک ہوتی رہی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے یہ مسجد نئی اسلامی سٹیٹ کا گورمنٹ ہاؤس، سینٹ اور پارلیمنٹ تھی۔ یہیں جنگ اور امن کے بڑے بڑے فیصلے ہوتے تھے اور

اهم وفود دربار رسالت میں پہنچتے تھے۔ یہاں پر سہلانی نے حاضری دی اور نوافل ادا کئے۔

مدینۃ منورہ میں هر چیز دیکھنے کے قابل هے۔ حرم نبوی کے پاس قدیم قبرستان جنت البقیع هے، جہاں حضرت عثمان غنی رض اور بے شمار دیگر صحابہ اور بزرگان دین ابدی نیند سو رهے هیں۔ اسلام کی پہلی مسجد " مسجد قبا " مدینہ منورہ سے چار میل جنوب غرب میں هے۔ حضور اکرم (صلعم) نے خود اس کی بنیاد رکھی اور تعمیر میں حصہ لیا۔ حرم نبوی کے پاس هی جنوب مشرق میں مسجد غمامہ هے جہاں حضور ﷺ نے ایک بار بارش کے لئے دعا فرمائی تھی ، اسی طرح مدینے سے چار میل دور شمال میں حضرت عثمان غنی کا کنواں هے جسے آپ نے یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔ اس کے قریب ہی احد پہاڑ هے، سہلانی یہاں بھی گیا ۔

مدینۃ النبی میں انہوں نے چالیس نمازیں پوری کیں۔ حج سے ایک هفتہ پہلے تقریباً تمام حجاج مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے هیں اور وهاں کی رونق دوچند هو جاتی هے۔ اکثر حجاج ، حج کے ساتھ کاروبار کرتے هیں، فٹ پاتھوں پر لکڑی کی تسبیحیں ، منکے، مختلف اقسام کے پتھر، گرم مصالحے، چٹائیاں اور دیگر سامان بیچتے هیں اور حج سے واپسی پر یہ لوگ ٹرانسسٹر، ٹیپ ریکارڈرز، کپڑے کے تھان ، کراکری ، کٹلری اور بہت سی دوسری اشیاء ساتھ لے جاتے هیں۔

نو (9) ذی الحجۃ کو عرفات کے میدان اور پہاڑیوں میں طلوع آفتاب سے غروب تک دنیا کا سب سے بڑا بین الاقوامی اجتماع هوتا هے۔ مکہ معظمہ میں جس گھر میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت هوئی وهاں اب ایک لائبریری اور ریڈنگ روم هے جو خانہ کعبہ کے قریب واقع هے۔ اس کے ساتھ هی ایک طرف مشہور پہاڑ جبل ابو قبیس هے۔ سہلانی نے اس پہاڑ کی بھی سیر کی ۔ اس کے قریب قبرستان جنت المعلیٰ هے جہاں حضور اکرم (صلعم) کی والدہ، دادا،

ام المومنین حضرت خدیجتہ الکبریٰ ، چچا جناب ابو طالب اور دوسری بزرگ ہستیاں دفن ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ منیٰ اور عرفات کا میدان ہے۔ حاجیوں کو سب سے زیادہ مشکل ، طواف زیارت کے وقت پیش آتی ہے۔ قربانی دینے کے بعد سر کے بال کٹوا کر اور احرام اتار کر منیٰ سے مکہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا اور پھر واپس منیٰ پہنچنا ضروری ہے۔ یہ حج کا رکن ہے۔ حکومت نے سازی شکایت کو بہت خوش اسلوبی سے دور کرنے کے اقدامات کئے ہیں۔ منیٰ سے آگے مزدلفہ میں سے گزر کر مصنف جبل الرحمتہ پہنچا۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں 10ھ میں حضور اکرم صلعم کی زبان مبارک سے ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے خطبہ حجتہ الوداع سنا تھا اور جہاں دین مکمل ہوا تھا۔ اس سے چند قدم آگے فراز کوہ ہے جہاں سے عرفات کے میدان کا منظر انتہائی دلکش نظر آتا ہے۔ یہاں 9 ذی الحجہ کو صبح سے شام تک کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے عازمین حج جمع ہوتے ہیں۔ یہ میدان 63 ہزار مربع میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

جبل الرحمتہ سے اتر کر عرفات کی خوبصورت مسجد نمرہ میں گئے اور نوافل ادا کئے یہاں سے نزدیک جبل ثور ہے اور وہاں چوٹی کے قریب غار حرا ہے جہاں حضور اکرم (صلعم) عبادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اسی جگہ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ جبل نور شہر کے شمال مشرق میں تین میل کے فاصلے پر ہے یہاں پر چڑھائی بہت مشکل ہے۔ سلطانی یہاں پہنچا ۔ غار کے اندر ایک وقت میں بمشکل دو افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ غار کا منہ تکون کی شکل میں ہے جیسے پتھروں کا چھوٹا سا خیمہ ہو۔ بڑے بڑے پتھر اردو کے ہندسے آٹھ (۸) کی صورت میں کھڑے ہیں جو سات فٹ اونچائی پر اور اندر کی طرف چھ فٹ گہرائی میں ملتے ہیں۔

گیارھواں اور بارھواں باب اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ ان میں 9 اور 10 ذی الحجہ کے دن ادائیگی حج سے متعلق تمام تفصیل درج ہے۔ گویا اس کتاب کا لب لباب یہاں مرقوم ہے۔ 9 ذی الحجہ کو سب نے ایک ہی لباس (دو اَن سلی سفید چادریں) پہن

یعنی احرام باندھ لئے۔ حرم شریف میں دو رکعت پڑھ کر حج کی نیّت کی اور " اے اللّٰہ میں حاضر ہوں "، پکارتے ہوئے پانچ دن کے لئے منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ منیٰ میں ظہر سے لے کر اگلے دن فجر تک پانچ نمازیں ادا کرنا سنّت ہے۔ حجتہ الوداع کو جس جگہ حضور اکرم (صلعم) کا خیمہ تھا، وہاں اب مسجد خیف ہے۔ اس میں نماز ادا کرنے کی سب کو خواہش ہوتی ہے۔ عازمین حج رات منیٰ میں قیام کر کے اگلے دن صبح کی نماز کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں عرفات میں صبح سے شام تک وقوف حج کا رکن اعظم ہے۔ عرفات کے میدان میں بارہ گھنٹے کے لئے تین لاکھ خیموں کا شہر آباد ہو جاتا ہے۔ اس دن تمام حاجیوں کو حکومت کی طرف سے دوپہر کا کھانا دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن سب لوگ عرفات پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں۔

عرفات میں صبح سے شام تک قیام کرنا اور خشوع خضوع کے ساتھ ذکر الہی، استغفار اور دعاؤں میں مصروف رہنا، یہی حج ہے۔ شام کو غروب آفتاب کے بعد سب لوگ واپس منیٰ آ جاتے ہیں۔ رات کا قیام رستے میں مزدلفہ میں ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ رات بھر عبادت کی جاتی ہے اور جمرات (شیطانوں) پر پھینکنے کے لئے کنکریاں جمع کی جاتی ہیں۔ اگلے دن دس ذی الحجہ کو صبح کی نماز کے بعد سب لوگ مزدلفہ سے واپس منیٰ میں اپنے خیموں میں پہنچتے ہیں اور نماز فجر کے بعد تلبیہ پڑھتے ہوئے مزدلفہ سے روانہ ہوتے ہیں۔ آگے وادیٔ محسّر ہے جہاں سے تیز تیز قدم اٹھا کر نکل جانے کا حکم ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم کی پیدائش کے سال یعنی 571ء میں اصحاب فیل تباہ و برباد ہوئے تھے۔ ذرا آگے چلیں تو منیٰ شروع ہو جاتا ہے۔ لوگ اپنے خیموں میں پہنچ کر آرام کرتے ہیں اور پھر شیطان کو کنکریاں مارنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد قربانی کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ ایک بڑی قربان گاہ ہے جہاں اونٹ اور گائے ذبح ہوتے ہیں۔ دوسری چھوٹی قربان گاہ ہے جو صرف بھیڑ بکریوں اور دنبوں کے لئے ہے۔ لوگ قریب ہی قربانی کرتے

ھیں اور پھر سر کے بال کٹوائے جاتے ھیں اور نہا دھو کر احرام کھولے جاتے ھیں۔

اس کے بعد ، حج کا ایک اہم رکن طواف زیارت باقی ھے۔ حرم شریف میں جا کر طواف اور سعی کے بعد پھر واپس منیٰ آنا ھوتا ھے اور آخر میں دو روز تک جمرات کو رمی کے بعد 12 ذی الحجہ کو حج مکمل ھوتا ھے۔

سارے سفرنامے میں صادق قریشی نے خوبصورت انداز میں ارکان حج کی تفاصیل پیش کی ھیں اور اپنے مخصوص انداز سے حج سے متعلق دلچسپ باتیں بھی بیان کی ھیں۔ قاری اس حج نامے کو پڑھتے ھوئے بہت جاذبیت محسوس کرتا ھے۔ زبان و بیان بہت سادہ ھے اور مناسک حج کی دلچسپ تفصیل پڑھتے ھوئے قاری بہت خوشی اور سکون محسوس کرتا ھے۔

لاهور سے دیار حبیب تک ــــ سیّدہ حمیدہ فاطمہ

لاہور سے دیار حبیب تک، سیّدہ حمیدہ فاطمہ کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے الحمرا پبلشرز لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ حج نامہ 112 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ٹائٹل پر مسجد نبوی کی رنگین تصویر نمایاں ہے۔ یہ حج انہوں نے 1982ء میں کیا تھا۔ اس کتاب کا انتساب مصنفہ نے اپنے بیٹوں اور اکلوتی بیٹی کے نام کیا ہے۔ مقدس حج نامے کے بیس کے لگ بھگ عنوانات ہیں اور مصنف نے ان میں خاصی جدّت اور تنوع سے کام لیا ہے مثلاً ملاحظہ فرمائیں

پہلا وہ گھر، آرزو بر آئی، سنہری سفر کا آغاز، والہانہ کیفیت، حجر اسود کو بوسہ، ہاجرہ کا اضطراب یاد آ گیا، مدینۃ النبی، رقت طاری ہو گئی، اختتام حج، اے اللہ میں حاضر ہوں، حج کی فضیلت، حج کی اصطلاحات، طواف کعبہ، مقدس مقامات، سیرت نبویہ، عقیدت کے پھول وغیرہ۔

درج بالا عنوانات سے ظاہر ہے کہ مصنفہ نے زیادہ زور معلومات فراہم کرنے پر دیا ہے۔ اس حج نامے میں اگرچہ ذاتی جذبات و احساسات کو پیش کرنے کی پوری کوشش نظر آتی ہے لیکن یہ عہد قدیم کے روایتی حج ناموں کے سلسلے ہی کی ایک سنہری کڑی نظر آتا ہے۔

فاضل مصنفہ کا معلومات کا خزانہ لبالب بھرا ہوا ہے اور اس وقت تو یہ چھلکنے کے قریب ہوتا ہے جب حسب موقع وہ بڑے بڑے شعراء مثلاً بہادر شاہ ظفر، حفیظ جالندھری، محسن کاکوروی، محمدعلی جوہر، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان جیسے کہنہ مشق شعراء کے نعتیہ اشعار پیش کرتی ہیں۔ ان اشعار سے ہمیں ان کے ذوق شعری کا معترف ہونا پڑتا ہے۔

سیّدہ حمیدہ فاطمہ اس حج نامے کے دیباچے میں تحریر کرتی ہیں کہ وہ بہت بڑی ادیبہ نہیں ہیں، انہوں نے اس فن پارے میں محض اپنے اظہار و عقیدت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کا مشاہدہ نسبتاً کمزور ہوتا ہے۔ مرد جس طرح کھلی آنکھوں سے اور بغیر کسی پردے اور رکھ رکھاؤ کے، چیزوں کی اصلیت دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، عورت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ زمانے کی ہزاروں رکاوٹیں، کئی بندشیں، اس کے قدموں کے گرد حائل ہوتی ہیں اور وہ ان چیزوں کا بہ نظر غائر مشاہدہ نہیں کر سکتی جنہیں مرد ہر وقت اور ہر زاویۂ نگاہ سے دیکھ اور پرکھ سکتا ہے اور یہی مشکل اس سفرنامے میں مصنفہ کو در پیش ہے۔ مرد حجاز مقدس میں پھیلی ہوئی ہزاروں چیزوں اور اس کی جزئیات کی نشان دہی کر سکتا تھا لیکن عورت ہونے کے ناطے سیّدہ حمیدہ فاطمہ سرسری طور پر ان چیزوں کو دیکھتی ہے۔

جہاں تک محسوسات کا تعلق ہے، محترمہ کا زور قلم ان کے مشاہدے پر محدب عدسے کا کام کرتا ہے۔ ان کی حسیّاتی سطح دماغ کی بجائے دل کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہ عورتوں کے جذبات کی نمائندگی بھرپور طریقے سے کرتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، عورت کا دل بہت زیادہ حساس اور نرم و نازک ہوتا ہے۔ جب محترمہ مدینہ منورہ اور مکّہ معظمہ کے مختلف مقام ہائے زیارت دیکھتی ہیں تو اس کا دل لطیف جذبات کی آماجگاہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں ملاحظہ فرمائیں (کامل و اکمل نمونہ)

" اگر تم بیویوں کے شوہر ہو، تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس
شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو
فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے پاک نانا کا حال پوچھو،
اگر تم دولت مند ہو تو مکّہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار
کی تقلید کرو، غرض تم جو کچھ بھی ہو اور کس حال میں بھی

ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہاری ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ، رہنمائی کا نور، محمد عربی کی جامعیت کبریٰ کسے خزانہ میں ہمہ وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔" (ص 91)

مصنفہ نے کس قدر لفاظی سے کام لیا ہے اور خصوصی طور پر قوافی کا اہتمام نظر آتا ہے۔ حجاج کرام مرد ہوں یا خواتین، سب کا حجاج مقدس جانے کا مقصد و غایت صرف ایک ہی ہوتا ہے اور وہ رضائے الٰہی کا حصول اور محسن آخرالزماں سے والہانہ محبت و عقیدت ۔ سارے زائرین حرم اسی لیے شب و روز کی مشقت کو عبادت سمجھتے ہیں کہ انہیں کاوشوں کا ثمر ان کو سکون قلب کی صورت میں ملتا ہے۔ سیّدہ حمیدہ فاطمہ بھی ارض مقدس میں انہیں نظریات و خیالات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ یہی ان کے لئے شان منزل ہے، وہ اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتی ہیں

" میں نے مکّہ مکّرمہ اور مدینہ منوّرہ کے گوشے گوشے کو اپنی عقیدتوں کا مرکز بنایا اور جس سوز و گداز اور ذوق و شوق میں میرے شب و روز بسر ہوئے، میں نے اسی جذبے کے ساتھ یہ کتاب لکھنا شروع کی ۔" (بحوالہ ص 6)

فاضل مصنفہ بے شک بہت بڑی ادیبہ نہیں ہیں لیکن اس سفرنامے کے ہر صفے پر ادب کی چاشنی اور گھلاوٹ نظر آتی ہے۔ کئی مقامات پر خوبصورت اور برمحل الفاظ اور تلمیحات ملتی ہیں اور ان کی یہ تصنیف کسی طرح بھی ایک اعلیٰ ادبی فن پارے سے کم درجہ نہیں ہے۔

اس حج نامے میں کافی جگہوں پر مقامات مقدسہ کی بلیک اینڈ وائٹ تصاویر شامل کی گئی ہیں اور یہ ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کی نشان دہی کرتی ہیں۔ ان کے یہاں مشاہدے میں بڑا تنوع ہے۔ ہم منظر دیکھتے ہیں، وہ کسی منظر کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ اس کے پس

منظر اور پیش منظر کے ساتھ دیکھ لیتی ہیں۔ گویا کوئی منظر اپنی تمام بے کراں وسعتوں کے ساتھ ان کے ذہن میں اتر جاتا ہے۔ جہاں اس کی خلّاق اسے باز آفرینی کے ساتھ ہمارے سامنے لے آتی ہے۔ اس باز آفرینی میں منظر کشی بھی ہے اور عکاسی و ترجمانی بھی اور یہ سب کچھ نہایت فنّی اور جمالیاتی سلیقے کے ساتھ اس طرح گھل مل کر ہمیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کثرت ایک وحدت بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے مصنفہ بہت خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے عقیدے کے ساتھ سب زیارات کو بنظر غائر دیکھا ہے۔ اس سفرنامے میں حالات سفر کے علاوہ ارکان حج ، اصطلاحات اور مقدس مقامات کی تفصیلات پیش کرنے کی زیادہ کوشش کی گئی ہے۔ اور اسے معلوماتی بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ ایک جگہ لکھتی ہیں کہ

" طواف سے قبل احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے
اس طرح نکال لیتے ہیں کہ دایاں مونڈھا کھلا رہتاہے
پھر دوسرے سرے کو بائیں کندھے پر ڈال لیتے ہیں اور اس
عمل کو " اضطباع" کہا جاتا ہے۔ یہ عمل صرف مردوں کے لئے
ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ طواف کعبہ میں ایک پھیرے یا چکر کو
" شوط" کہتے ہیں۔ ہر شوط کے بعد دوسرا شوط شروع ہوتا
ہے۔ میں نے اس عمل کے تحت خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔" (بحوالہ ص 30)

مصنفہ حجاز مقدس میں گزارا ہوا زیادہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہیں تاہم اہم مقامات کی سیر بھی کی۔ ان کا اسلوب نگارش سادہ اور رواں ہے۔ بعض جگہوں پر مشکل الفاظ و قوافی استعمال کئے ہیں لیکن وہ عبارت کو بوجھل نہیں بناتے اور قاری یکسوئی اور دلچسپی کے ساتھ اس سفرنامے کے مضامین میں جاذبیت اور دلچسپی محسوس کرتا ہے۔

آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ سفرنامہ حج مصنفہ کے خلوص نیّت اور واقفیت ادب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بہت اچھے اور جامع الفاظ استعمال کئے ہیں اور ایک طرح کی روحانیت اور لذّت کا احساس ہوتا ہے۔

(بادل بخارو) ٹک ٹک دیدم ٹوکیو ۔۔ بشریٰ رحمان

"ٹک ٹک دیدم ٹوکیو" بشریٰ رحمان کا سفرنامہ ھے، اسے وطن دوست پبلشرز لاھور نے 1989ء میں شائع کیا۔ اس سفرنامے میں جاپان، چین، انڈونیشیا، ملائشیا، بھارت، ایران اور سعودی عرب کے سفر کے حالات درج کئے گئے ھیں۔ یہ کتاب پانچ سو صفحات پر مشتمل ھے۔ اس کے صفحہ 343 سے 444 تک حجاز مقدس اور حج مبارک کا حال قلم بند کیا گیا ھے۔ سفر حجاز دو عنوانات پر مشتمل ھے۔

پہلا عنوان ۔۔ منزل عشق پہ تنہا پہنچے

دوسرا عنوان ۔۔ مدینے کی گلیوں میں جوگن بنی ؐ کی

بشریٰ رحمان مشہور ادیبہ اور سیاست دان ھیں، وہ پنجاب اسمبلی کی ممبر بھی رہ چکی ھیں۔ ان کی ادبی شخصیت کئی جہتوں پر محیط ھے مثلاً ناول نگار، افسانہ نگار اور کالم نویس ۔ ان کا ناول "ایک آوارہ کی خاطر" اپنے اندر بھرپور ادبی چاشنی لئے ھوئے ھے۔

فاضل ادیبہ کا سفرنامہ "ٹک ٹک دیدم ٹوکیو" اپنے اندر بے شمار معلومات لئے ھوئے ھے اس میں انہوں نے بہت سارے ممالک کے حالات اور مشاھدات پیش کئے ھیں تاھم ان کا حج کا مشاھدہ اپنے اندر غیرمعمولی طور پر جاذبیت اور دلچسپی کا حامل ھے۔ بشریٰ رحمان اردو زبان کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتی ھیں۔ انہیں الفاظ کی ساخت و پرداخت پر عبور حاصل ھے۔ یہی وجہ ھے کہ اپنی تحریروں میں انہوں نے سلاست و روانی اور بے ساختگی کے دریا بہا دئیے ھیں اور اس حج نامے میں بھی بہت خوبصورت زبان استعمال کی ھے۔ فقرات کو ردیف و قوافی کے لحاظ سے برتنے کا ڈھنگ انہیں معلوم ھے۔ اسی لئے اس کتاب میں جگہ جگہ غنائیت

بکھری ہوئی ہے۔ ان کے یہاں خوبصورت آہنگ اور لفظوں کا بناؤ سنگھار ایک خاص طرح کی موسیقیت پیدا کرتا ہے۔ جیسے یہاں ملاحظہ ہو

" حج نجات کا وسیلہ بھی ہے۔ بخشش کا ذریعہ بھی ہے۔
گناہوں کی تلافی اور معافی کا بہانہ بھی، التجاؤں اور
دعاؤں کی آماجگاہ بھی، مانگنے کا بہترین موقع بھی، آنسو
بہانے کا مناسب مقام بھی، ایمان و ایقان کا ایک مستند
عمل بھی۔ قول و فعل کی ایک شرعی ڈگر بھی اور زندگی
کا خوبصورت ترین مگر کٹھن ترین مستقر بھی۔ " (ص 346)

محترمہ بشریٰ رحمان کا یہ سفرنامہ کھلی آنکھوں اور وسیع قلب کا آئینہ دار ہے۔ اس میں قدم قدم پر ان کے والہانہ جذبات اور لطیف احساسات نظر آتے ہیں۔ انہیں صوفیانہ کلام سے بے حد لگاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافی مقامات پر خواجہ فرید کا سرائیکی کلام درج کیا ہے اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی تحریر کر دیا ہے۔ وہ اس پورے حج نامے میں مذہبی کا انداز اپنائے ہوئے ہیں اور کئی جگہوں پر جیّد علماء، مسلمان اہل فقہ اور بزرگان دین کے اقوال زرّیں نقل کرتی ہیں، صفحہ 389 پر تحریر کرتی ہیں کہ

" یحییٰ ابن معاذ رازی کا قول ہے کہ تین قسم کے آدمیوں
کی صحبت سے بچنا چاہئیے ۔ ایک غافل عالم سے، دوسرے مکّار
فقیر سے، تیسرے جاہل صوفی سے۔ "

یہ سفرنامہ اس لحاظ سے خاصا اہم اور دلچسپ ہے کہ عام آدمی کو دوران ایّام حج حجاز مقدس میں پیش آنے والی تکلیفوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ چوں کہ اکثر حجاج کرام اس دیار حبیب سے ناواقف ہوتے ہیں اور پہلی بار ارضِ مقدّس پر حسن الہیٰ کی جھلک دیکھنے آتے ہیں۔ انہیں مناسک حج سے چنداں واقفیت نہیں ہوتی۔ وہاں کے رہن سہن بود و باش سے بھی بے خبر

ہوتے ہیں۔ لہذا وہ دین داری سے زیادہ دنیاداری کے بکھیڑوں میں الجھ جاتے ہیں اور کامل دلجمعی اور اطمینان سے مناسک حج ادا نہیں کر سکتے۔ اس الجھن کے پیش نظر، انہوں نے حکومت پاکستان کو بہت سی نادر اور کار آمد تجاویز پیش کی ہیں اور خصوصی طور پر خدام الحجاج کے چناؤ کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ خدام الحجاج ایسے آدمیوں کو ہونا چاہئیں جو پہلے سعودی عرب رہ چکے ہیں اور پہلے مناسک حج بھی ادا کر چکے ہیں، وغیرہ وغیرہ، (بحوالہ ص 387، 386)

اسی طرح انہوں نے صفحہ 360، 361 پر گروپ لیڈر کے چناؤ کا معیار بتایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ حجاج کرام کے گروپ کی فہرستیں پی آئی اے کے عملے اور سعودی عرب میں موجود خدام الحجاج کے پاس بھیجیں تاکہ عازمین حج بڑی آسانی کے ساتھ رہائش اور طعام جیسے مسائل سے چھٹکارا حاصل کر کے کامل یکسوئی سے عبادت الہی میں مشغول رہیں۔

اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے سارے ممالک سے آنے والے حاجیوں کی کل تعداد کتنی ہے اور دوسرے ممالک سے آنے والے حجاج کی فرداً فرداً تعداد بھی درج کر دی گئی ہے۔ یہ ان کے وسیع معلومات اور باقاعدہ مطالعہ کی دلیل ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مناسک حج میں کسی قسم کی جدّت نہیں ہوتی، تاہم حجاز مقدس کو مصنفہ نے جس انداز سے دیکھا ہے، اس کی پوری تصویر اس کتاب میں عیاں ہو جاتی ہے۔ جہاں تک زبان دانی کا تعلق ہے، جگہ جگہ ادبی چاشنی اور جذب و شوق معلوم ہوتا ہے۔ بعض اوقات روانی اور سلاست کے ساتھ ساتھ محاورات درج کر دئیے ہیں اور اس تخلیق کو چار چاند لگ گئے ہیں مثلاً صفحہ 347 پر لکھتی ہیں کہ " کچھ راستے کی خاک بن کر راہ میں بکھر جاتے ہیں۔" اور صفحہ 346 پر درج ہے کہ " جس کی محبت کا دم بھرتے ہیں" وغیرہ وغیرہ

کئی مقامات پر انگریزی الفاظ درج ہیں جو آج پڑھے لکھے اردو داں طبقے کے روزمرہ کا حصہ دکھائی دیتے ہیں، مثلاً ص 360 پر " جو جدّہ اَئر پورٹ پر حجاج کو ریسیو کر رہا تھا۔" اور " .... تو ان کو بسوں کے نمبر الاٹ ہو جائیں گے" ------ ص 386 " کیوں کہ ہمارے ہاں مشتری سپورٹ سرے سے مفقود ہے ...." وغیرہ وغیرہ

فاضل مصنفہ نے قارئین کی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے خوبصورت لفاظی پیش کی ہے۔ سارے سفرنامے میں ادبی چاشنی اور نکھار موجود ہے۔ کئی مقامات پر خوبصورت تشبیہات و استعارات ، دل فریب تلمیحات پیش کی ہیں، مثلاً یہاں ملاحظہ فرمائیں

" درمیانی فاصلہ بہت زیادہ لگتا تھا مگر حضرت ہاجرہ کی ممتا کے صدقے میں حجاج ان پہاڑیوں کے درمیان کا راستہ دوڑ کر ہی طے کرتے تھے .... "

" آب زمزم کی ٹھنڈی ٹھار سبیلیں لگ چکی ہیں۔ صفائی و ستھرائی کے اعلیٰ ترین انتظامات ہیں .... " (ص 348)

جہاں تک ان کے ادبی ذوق اور حسن مطالعہ کا تعلق ہے تو انھوں نے نہ صرف اردو زبان کا بحیثیت ادبی زبان معیار قائم رکھا ہے بلکہ زبان دانی اور بامقصد مطالعہ نے اس تخلیق کے حسن میں یک گونہ اضافہ کیا ہے۔ ایک جگہ سفر کی اقسام اس طرح گنوائی ہیں،

" سفر کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ سفر کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ کاروباری سفر، تفریحی سفر، علمی سفر، مقصدی سفر، سیاسی سفر، مجبوری کا سفر، علاجے کا سفر، خریداری کا سفر، لاچاری کا سفر--- مگر حج اپنی نوعیت کا ایک انوکھا نرالا سفر ہے۔ یہ ضبط نفس کا سفر ہے، حوصلے اور ہمت کا سفر ہے، زہد و تقویٰ کا سفر ہے، ریاضت و عبادت کا سفر ہے،

کوفت و اذیت کا سفر ہے، آبلہ پائی و جگ ہنسائی کا سفر ہے، دوریوں اور مجبوریوں کا سفر ہے، لاچاریوں اور بے چارگیوں کا سفر ہے، حیرتوں اور غیرتوں کا سفر ہے، مسرتوں اور شدّتوں کا سفر ہے، سمندروں اور آسمانوں کا سفر ہے، دیوانوں اور نادانوں کا سفر ہے، شناختوں اور پہچانوں کا سفر ہے، ذاتوں اور آزاروں کا سفر ہے، محبت کے ماروں کا سفر ہے۔ عشق اور مشک کا سفر ہے اور ظاہرو باطن کا سفر ہے۔" (ص 349)

درج بالا تحریر میں معلومات کے ساتھ ساتھ ترنّم و موسیقیت کا حسین امتزاج موجود ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے، منفرد قسم کی تشبیہات اور پرشکوہ الفاظ، تحریر کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ محترمہ بشریٰ رحمان کا سفرنامہ حج عازمین حج کے لئے ایک ڈائریکٹری یا گائیڈ بک ہے اور یہ ایک ایسی وڈیو یا آئینہ ہے جہاں ہم حجاج کرام کو ارض مقدّس میں پوری دلجمعی کے ساتھ مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

سفر شوق ۔۔ فہد احمد پراچہ

یہ کتاب ہلکے پیلے رنگ کی جلد پر مشتمل ہے اور اس کے باہر والے صفحے یعنی ٹائٹل پر خانہ کعبہ کالے رنگ کے چوکور ڈبے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کے باہر دو رویہ ننگے پاؤں کے نشان ثبت ہیں گویا سیّاح ننگے پاؤں اس دیار حرم کی سیر کی خاطر گھوم رہا ہے۔ یہ سفرنامہ البدر پبلی کیشنز 23۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور کی پیشکش ہے۔ اس کی طبع اوّل جولائی 1982ء میں ہوئی ، 176 صفحات پر مشتمل سفرنامہ بہت معیاری اور قابل دید ہے۔ مصنف کو تقریباً تین ماہ اس سرزمین مقدس میں گزارنے کا موقع ملا ۔ اس کتاب کا دیباچہ شمیم صدیقی نے تحریر کیا ہے۔ شمیم صدیقی ایک سیاسی جماعت سے وابستہ کہنہ مشق ادیب و صحافی ہیں ، انہوں نے خود بھی دیار حبیب کی سیر کی ہے۔ وہ اس کتاب کے بارے میں دیباچہ میں یوں رقم طراز ہیں ،

> " اس سفرنامے میں مناظر سفر کا مشاہدہ بھی ہے ، تاریخ رفتہ کے ابواب کی سیر بھی اور موجودہ حالات کا تجزیہ بھی ۔ اسے پڑھنے سے ایمان بھی سیراب ہوتا ہے اور دماغ کو معلومات بھی ملتی ہیں ۔۔۔۔ "

اس سفرنامے کا پہلا باب شہر ابتلاء ۔ طائف ، سے شروع ہوتا ہے۔ مصنف کراچی سے 20 ستمبر کو روانگی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے چچا جناب عبدالقیوم پراچہ بھی ہمسفر تھے۔ طائف کے بارے میں بہت دلچسپ معلومات رقم کی گئی ہیں۔ دوسرے باب کا عنوان ہے " پہلا وہ گھر خدا کا " یہاں کعبہ شریف کا تاریخی پس منظر بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصنف کعبۃ اللہ کی فضیلت بھی بیان فرماتا ہے۔ مصنف کے الفاظ میں

" خدا کے گھر کی طرف قدم بڑھانے والے ہر فرد کی زبان پر
تلبیہ کے الفاظ ہیں، یہ یکسوئی کی علامت ہے، دنیا بھر کے
مقامات چھوڑ کر خدا کے گھر جانے کا اعلان، ہر تعلق سے بے
نیاز ہو کر تعلق باللہ کو خالص کر لینے کا اظہار . . . . " (ص 24)

فرید پراچہ نے مسلمانوں کے عقائد اور حرم شریف سے لگاؤ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں کئی جگہ امن و آشتی کا گھر ہونے کی وعید سنائی ہے اور اس میں جانے والوں اور زیارت کرنے والوں کے ہزاروں درجے اور رتبے بلند کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں

" حضور اکرم (صلعم) کے فرمان کے مطابق حرم پاک پر ہر روز
ایک سو بیس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جن میں سے ساٹھ
رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے اور بیس رحمتیں خانہ کعبہ
کی طرف محض دیکھنے والوں کے لئے مختص ہیں . . . " (ص 26)

فاضل مصنف نے اگلے باب کا نام " شہر امن " تجویز کیا ہے۔ صبح، شام دل والوں کے قافلے حرم پاک میں داخل ہوتے اور زندگی کا سارا سرمایہ یہاں سے لوٹ کر جانے کی کوشش کرتے، ان میں مصنف فرید پراچہ بھی شامل ہے۔ جس کا جی چاہتا ہے کہ کعبہ شریف آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

اس باب میں انہوں نے مختلف چیزوں اور جگہوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً کوہ صفا بطور علامت مختصر سی پہاڑی چھوڑی گئی ہے۔ نیچے پتھروں کا خوبصورت فرش ہے اور اوپر منقش چھت ہے۔ کوہ صفا کے قریب ہی باب دارالارقم ہے۔ یہ ایک دروازے کا نام ہے۔ اس کے سامنے حضرت ارقم کا مکان تھا جسے سعودی حکومت نے سڑکوں کی تعمیر کے دوران مسمار کر دیا تھا۔ جب بھی وحی نازل ہوتی، حضور اکرم (صلعم) اسی مقام پر جمع ہوتے، اپنے جاں نثار

ساتھیوں کو جمع کرتے اور انہیں خدا کے کلام سے منوّر فرماتے۔ اسی مقام پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ معجزۂ شق القمر بھی اسی چوٹی پر پیش آیا تھا اس کے ساتھ ساتھ یہاں کی دوسری چیزوں کا ذکر بھی مصنف نے تفصیلاً کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم لوگ ہر صبح ان جگہوں کی سیر کو نکلتے، جی بھر کر خاک پائے مصطفیٰ کا مشاہدہ کرتے اور نماز کے وقت واپس لوٹ آتے۔ یہاں کھانے پینے کے برتن بہت اچھے اور معیاری موجود تھے جسے زائرین خرید لیتے۔

نبی اکرم (صلعم) کی جائے پیدائش ملک سعود پر واقع ہے اور یہ مقام بھی اسی خطہ میں واقع ہے، جسے جی بھر کر دیکھنے کا موقع ملا۔ مصنف ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"مکّہ شہر اس نہ ہوتا تو بیت اللہ شریف کے زائرین بڑی ہی مشکل میں مبتلا رہتے۔" (ص 26)

اس سفرنامے کے مصنف ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی شخصیت کے مالک بھی ہیں۔ لہذا ان کی سوچ میں جذباتیت کے ساتھ ساتھ سیاست اور سیاسی سوچ کا عمل دخل نمایاں ہے۔ وہ مکّہ مکرمہ کو اسی حوالے سے دیکھتے ہیں کہ اس شہر کا پرانا نقشہ اور لوگوں کے افکار کس طرح تھے اور ان کا مذہبی نقطۂ نظر کس حد تک ان لوگوں کی شخصیت میں رچا بسا تھا۔ حجاج کے اس قافلے کی رہائش مکّہ میں حجون کے علاقے میں تھی۔ حجون کے بالکل ساتھ مکّہ کا قبرستان جنت المعلیٰ ہے۔ انہوں نے کئی بار اس قبرستان کی زیارت کی۔ جنت المعلیٰ کے کے قریب ہی مسجد جن ہے، سڑک کے کنارے یہ ایک خوبصورت اور آباد مسجد ہے۔ اس جگہ پر جنوں کی ایک جماعت نے قرآن پاک کی تلاوت سنی تھی اور حضور اکرم (صلعم) پر ایمان لائے تھے۔ اس سے تھوڑی دور مسجد الرایہ ہے۔ رایہ جھنڈے کو کہتے ہیں۔ فتح مکّہ کے دن حضور اکرم (صلعم) نے اپنا جھنڈا اس جگہ نصب فرمایا تھا۔ ان جگہوں کی زیارت کا ان حجاج کرام کو جی بھر کر موقع ملا، بہت دعائیں مانگیں اور اپنے دل کو مسرور کیا۔

مکّہ کے قریب غار حرا ہے جو نبوت سے پہلے حضور اکرم (صلعم) کا خلوت نشینی کا مقام تھی ۔ منیٰ جاتے ہوئے بائیں طرف کوہ حرا ہے جسے اب کوہ نور کہا جاتا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر یہ غار موجود ہے۔ اسی غار میں حضور اکرم (صلعم) کئی کئی روز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر فرماتے۔ اسی جگہ پر سب سے پہلے حضرت جبرائیل نے خاتم النبین کو نبوت کی بشارت سنائی تھی ۔

اگلا باب " شہر محبت " سے متعلق ہے یعنی مدینہ منوّرہ شریف یہاں رحمتہ اللعالمین نے اپنی عمر عزیز کے دس سال گزارے تھے۔ مکّہ سے مدینہ منوّرہ کا فاصلہ چار سو ساٹھ کلومیٹر ہے۔ حجاج کرام کا یہ قافلہ پچیس ستمبر کو مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا۔ یہاں سے قریب ایک بستی " جمجوم " ہے ۔ یہ بہت آباد ہے اور تفریحی مقام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر وادیٔ خلیص ہے۔ یہ بھی بڑی شاداب وادی ہے اور مسافر حضرات کچھ دیر کے لیے یہاں رکتے ہیں۔ اس شہر میں مسجد العَریش ہے۔ عریشہ خیمہ سائبان کو کہتے ہیں۔ اسی مقام پر حضور اکرم (صلعم) کے لئے سائبان بنایا گیا تھا ۔ آگے بدر کا مقام ہے اور جی چاہتا ہے کہ کوئی آگے نہ سکے۔

ـہ قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے

مسدد اے شوق کہ پیچھے میں رہ جاتا ہوں

اس مقام پر اسلام اور کفر کی پہلی جنگ ہوئی تھی ۔ مسلمان تعداد میں ایک تہائی تھے۔ اس کے باوجود جذبۂ ایمانی اور تقویٰ مسلمانی کی بدولت اسلام کو فتح نصیب ہوئی اور کفار کو عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ اس کے قریب ہی مسجد نبوی ہے، جہاں حضور اکرم (صلعم) بیٹھ کر دین داری اور دنیاداری کی گتھیاں سلجھاتے تھے۔ تمام صحابۂ کرام یہاں دن رات نبی اکرم (صلعم) اور قرآن مجید کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے اور اپنے دلوں کو مذہب اسلام سے منوّر فرماتے۔ ساتھ ہی روضۂ رسول کے سامنے مشتاقان زیارت کا ہجوم اور پھر سب حجاج

کرام نے درود و سلام کا ذکر فرمایا ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ۔ روضۂ اقدس کے داہنی جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بائیں جانب حضرت عمر فاروقؓ کے روضے ہیں۔ یہاں حجاج کرام نے جی بھر کر ذکر درود و سلام کیا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اس کے بعد یہاں سے بادل ناخواستہ روانہ ہوئے۔

اگلا باب " نقش ہائے رسول " ہے۔ ہم لوگ وہاں سے چل کر اس مقام پر آ گئے جہاں حضور اکرم (صلعم) اور کفار کے درمیان اسلام کی دوسری بڑی لڑائی ہوئی تھی ۔ یہ احد کے مقام کا واقعہ ہے۔ یہاں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور حضور اکرم (صلعم) کا ایک دندان مبارک بھی شہید ہوا تھا۔ اسی جگہ آپ کے چچا حضرت حمـزہ ، حضرت عبد اللہ بن جحش اور حضرت مصعب شہید ہو گئے تھے۔ ان شہداء کے مقبرے یہیں موجود ہیں۔ تمام قافلے والوں نے ان کے لئے فاتحہ خوانی اور دعائے مـغفرت کی ۔

سب سے آخر میں فاضل مصنف نے ادائیگی حج کی تفصیل پیش کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ لبیک اللّٰہم لبیک، یعنی آخرکار وہ دن آ پہنچا جس کے انتظار میں وارفـتگان شوق کے قافلے بے قرار تھے۔ آج ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ ہے۔ عشق سوئے منیٰ رواں ہے۔ عجیب و غریب منظر ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان صرف ایک ذات پاک کی خوشنودی کی خاطر ہزاروں لاکھوں میل کا سفر طے کر کے یہاں جمع ہیں، سب کا ایک ہی طرح کا لباس ہے۔ ایک ہی طرح کی سوچ اور لگن ہے۔ طلب بھی ایک اور زبان پر دعا کا ایک ہی ورد کہ اے ربّ کعبہ ہم حاضر ہیں۔ اسی ذات پاک کے آگے سجدہ ریز ہیں ، ع تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔

اس مقام پر مصنف کا جذبۂ شوق ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ یہاں تمام ہستیاں اپنا وجود مٹا کر حاضر ہیں اور عقل کی بجائے جذبات کے تابع ہو گئے ہیں۔ حج ادا کرنے کے بعد ایک بار پھر طواف کعبہ کا موقع ملا۔ اس کے بعد روضۂ رسول سے لپٹ کر جی بھر کر روئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی ، دل کو سرور نصیب ہوا اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ روضے کی

جالی سے علیحدہ ہوئے کہ واقعی اس جگہ پر یہ ندامت کے آنسو ضرور رنگ لاتے ہیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر بستی حلیمہ سعدیہ کی زیارت کی ۔ اکثر لوگ بنو سعد کا تذکرہ کرتے رہے۔ حلیمہ سعدیہ نے حضور اکرم (صلعم) کو جھولی لیا تھا ، اپنا دودھ اس ہستی کو پیش کیا جو دعا کی سب سے عظیم اور خاتم النبیاء بننے والی تھی ۔ ہمارے قافلے والوں نے یہاں فاتحہ خوانی کی اس بات کا علم سبھی کو تھا اور اسی صبح حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے کہا کہ " حلیمہ خوب سمجھ لو کہ خدا کی قسم تم نے بہت مبارک بچہ لیا ہے۔" (ص 197)

اس کے بعد چند اور مناسک ادا کئے تقریباً تین ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا ۔ ارض پاک میں رہنے کے لئے تو صدیاں چاہئیں ، یہ تھوڑا سا وقت بھلا اس ذوق و شوق اور جذبہ و لگن کی آگ کو کیسے ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ آدمی اس جگہ پر ساری عمر بیٹھا رہے اور ذکر الہی میں مست رہے ، اس کے باوجود بھی آرزوئیں اور تمنائیں ختم نہیں ہوتیں۔ بہر حال! اس طرح یہ سفر شوق ختم ہوا اور تمام قافلے والے جدّہ سے روانہ ہو کر کراچی پہنچ گئے۔ یہ سفرنامہ، بظاہر حج کی روداد ہے مگر فاضل مصنف نے دل آویز معلومات فراہم کی ہیں۔ ہر پڑھنے والا اس طرح محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ خود مصنف کے ساتھ ساتھ مناسک حج ادا کر رہا ہے اور حسیّاتی طور پر وہ خود کو شریک سفر سمجھتا ہے۔ یہی ہر ادب پارے کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ جو ہمیں قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے۔

سفر فوز و فلاح ـــ خواجہ غفور احمد

=====*===*==*==*=====*=========**

" سفر فوز و فلاح " خواجہ غفور احمد کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے قومی پبلشرز، 50 لوئر مال لاہور نے چھاپا ہے۔ یہ سفرنامہ[7] حج 336 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دیباچہ ڈاکٹر ضمیر احمد ناصر نے تحریر کیا ہے۔ سفر فوز و فلاح دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ان کے کئی ذیلی باب بھی ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے حصے میں چھ باب شامل ہیں اور یہ 1965ء کے سفر عمرہ کی روداد ہے جب کہ دوسرے حصے میں چار باب شامل ہیں اور 1983ء کے سفر حرمین شریفین کی یادیں لئے ہوئے ہے۔

اس سفرنامے میں مختلف مواقع پر چھیالیس فارسی اشعار پیش کئے گئے ہیں اور کتاب کے آخر میں ان اشعار کا اردو ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔

خواجہ غفور احمد سرکاری ملازمت سے وابستہ رہے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے قدرے معذور ہیں لیکن حرمین شریفین دیکھنے کا جذبہ و شوق اس قدر ہے کہ اس معذوری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ نوجوانوں کی طرح فرط جذبات میں ڈوبے ہوئے دیار حرم میں مشیت ایزدی کے حصول کے لئے سرگرداں ہیں۔

سفر فوز و فلاح ایک حاجی کی حیثیت سے خواجہ صاحب کے مشاہدات اور واردات قلب کی داستان ہے جو ان کے خاص اسلوب، انداز بیان اور زاویۂ نگاہ کی آئینہ دار ہے۔ مصنف نے حج اور مناسک حج سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، ہر حاجی اس کا بیشتر حصہ اسی طریقے سے ادا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہر شخص کا خیال، مقصد، زاویۂ نظر اور انداز محبت الگ

الگ ہوتا ہے۔ بعض کی حسیّات تیز ہوتی ہیں، بعض جزئیات میں نہیں جاتے لیکن مصنف کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ ایک ادبی ذہن، حسّاس دل اور ابلاغ کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان میں اور ایک عام حاجی میں وہی فرق ہے جو ایک عام آدمی اور شاعر و ادیب میں ہوتا ہے۔ عام آدمی اپنے تاثرات کسی رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادے لفظوں میں بیان کر دیتا ہے جب کہ ایک شاعرانہ اپچ رکھنے والا ذہن حسیّات اور تفصیلات کے تانے بانے میں ایک معمولی اور چھوٹی سی بات کو ایسی وسعت دیتا ہے کہ وہ آپ بیتی کے ساتھ جگ بیتی اور داستان خویش کے ساتھ ساتھ داستان جہاں بن جاتی ہے۔

اس کتاب میں سفر حجاز کے علاوہ ان کا میلان طبع، نظریات و خیالات ، اعتقادات اور خواہشات و رجحانات سبھی کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔

فاضل مصنف کی تحریر کی ایک اہم خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ جیسا کہ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، ہر ایک باب میں بہت زیادہ ذیلی باب ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بزعم خویش محسوس کیا ہے اور پھر ان چھوٹے چھوٹے نقطوں، مشاہدات، احساسات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا تجربہ اور مشاہدہ بہت سطحی ہے، اس لئے یہ معمولی باتیں بھی فراموش نہیں کی گئیں۔

اس کے علاوہ ان کے دعوے اور نا آسودہ جذبے بھی کسی نہ کسی شکل میں اشارتاً ظاہر ہو گئے ہیں۔ بعض اوقات ان کے خیالات و اعتقادات میں تضاد نظر آتے ہیں۔ وہ بیک وقت تین متضاد یا مختلف الخیال زعماء علامہ اقبال، مولانا مودودی اور ابوبکر غزنوی کو اپنا مرشد قرار دیتے ہیں اور اس بات کا اظہار انہوں نے اس کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

خواجہ صاحب میں خود ستائشی حد درجے کی ہے۔ اپنے آپ کو ولی ظاہر کرنے، معجزے دکھانے، اپنی دعاؤں کی قبولیت کے دعوے اور ان پر اظہار تشکر کا انہیں بے حد شوق

ہے۔ موصوف جو بھی دعا مانگتے ہیں، اگر وہ قبول ہو جائے تو اسے معجزہ تصور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں " بڑے لوگوں " سے اپنے تعلقات جتلانے کا خبط بھی بدرجہ اتم موجود ہے اور ان بڑے لوگوں کے دربار جبہ سائی بھی ان کا وطیرہ ہے۔

مصنف نے جنت البقیع اور دیگر یادگار جگہوں کو مسمار کرنے پر جس دکھ کا اظہار کیا ہے، وہ ہر دل کی آواز ہے۔ خواجہ صاحب کا اس بات کا اظہار کرنا کہ عرب، بیت اللہ اور قرآن پاک کا کوئی احترام نہیں کرتے اور ان کی طرف پاؤں کر کے سونے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسا المناک، درد ناک اور قابل توجہ پہلو ہے کہ کہنا پڑتا ہے کہ

ع یہی مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

فاضل مصنف شاید ، اس بات سے بے بہرہ ہیں کہ معجزے صرف پیغمبر دکھا سکتے ہیں۔ خواجہ ظہور احمد نے اپنی اس کتاب میں بہت سے معجزوں کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ

" شیخ الحدیث مولانا بدر عالم مدنی دیوبندی نے چھ ماہ پہلے اپنی موت کی پیش گوئی کر دی تھی اور حاجی فرید الدین کو خط لکھ کر لاہور سے عرب شریف بلالیا اور مقررہ وقت تک اس جہان سے رخصت ہو گئے۔" (ص 127)

حالاں کہ یہی دیوبندی علماء مولانا خلیل احمد امبیٹھوی اپنی کتاب " براھین قاطعہ " کے صفحہ 72 پر لکھتے ہیں، اسی طرح مولانا قاسم نانوتوی نے بھی یہی بات لکھی اور مولانا اشرف تھانوی وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم (صلعم) کے پاس غیب کا علم نہیں تھا اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ ایک جگہ موصوف نے لکھا ہے کہ ان کی خصوصی دعا اور ساتھ ساتھ شیخ الحدیث کی دعا سے ان کی اہلیہ باقاعدہ نمازی بن گئی۔ (ص 141)

اسی طرح مصنف نے صفحہ 143 پر لکھا ہے کہ ان کی دعا سے ان کے بائیں ہاتھ پر جو ابھار نکل آیا تھا، وہ ٹھیک ہو گیا۔ انہیں معجزے دکھانے کا بے حد شوق ہے، مثلاً

ایک جگہ وہ " ایک حیران کن واقعہ " کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ

" .... یہ گھڑی کئی ماہ الماری میں پڑی رہی ۔ اس پر میں
حج سے واپسی پر دم کرتا رہا اور باذن اللہ چلنے لگی اور
تین ماہ چلتی رہی ، اس بات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے
مجھ پر بڑا فضل و کرم کیا تھا ... " (ص 144)

اسی طرح فاضل مصنف برصفحہ 147 پر بعنوان " گھر میں چور کی آمد " لکھتے ہیں کہ جب سے حج کر آیا ہوں ، چوری کا کھٹکا ختم ہے۔ صرف ایک بار ایک چور دیوار پھلانگ کر آ گیا ، میرے بہادر بیٹوں نے اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا ۔ یہ صرف میری دعاؤں کا نتیجہ تھا ۔

انہوں نے روضۂ رسول پر حاضری کے سلسلے میں بھی اپنی بہت فضیلت بیان کی ہے کہ جیسے وہ حضور کے بہت ہی قریب ہیں۔موصوف اپنے سفرنامۂ حجاز میں اپنے عاشقی تک بیان کر گئے ہیں تاہم وہ ان عاشقی کے سلسلے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ الحمد اللہ وہ ان فتنوں سے بچے رہے ہیں۔ موصوف نے دو امریکی خواتین سے اپنے عاشقی کو چسکے لے کر بیان کیا ہے ، حالاں کہ یہ ایسی باتوں کا موقع و محل نہ تھا اور پھر اپنے آپ کو فرشتہ سیرت بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے اسےاس فتنے سے ہمحفوظ رکھا۔ اس ضمن میں اقتباسات ملاحظہ فرمائیں

" .. کہ کس طرح عالم شباب میں امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن
میں ایک بجے رات میری ایک نئی ملاقاتی 25 سالہ حسینہ
نظر افروز میرے اپارٹمنٹ میں آئی اور کس طرح میری زندگی
میں یوسف زلیخا کا ڈرامہ حقیقی طور پر وقوع پذیر ہوا اور
اللہ تعالی نے مجھے اس شکیب ربا فتنے سے بچایا۔ " (ص 145)

" اب حج کے بعد لاہور میں دو امریکی خواتین نے مجھ میں
دلچسپی لینا شروع کی .... میں نے قیام امریکہ کے دوران

اس خاتون جیسی حسین لڑکیاں بہت کم دیکھی تھیں ....
اس پر ان کا بناؤ سنگھار ... کبھی سیاہ ساڑھی یا رنگین
شلوار قمیض اور اکثر وہی دیدہ زیب لباس اور جاذب نظر نیم
عریاں .... " (ص 146)

.... تمہیں کیا معلوم کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں ..
میں نے تم جیسا خوبرو اور مہذب جوان نہیں دیکھا ....
الحمداللہ میں اس فتنے سے محفوظ رہا۔" (ص 147)

اس کے علاوہ موصوف، اہل حدیث اور دیوبند کے علماء کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور انہیں " ولی کامل " ثابت کیا ہے۔ انہوں نے اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مدعا یہ ہے کہ لوگ انہیں صاحب کرامت، اور ولی اللہ مان لیں۔

مصنف نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا ہے کہ اسلام کے محافظ سعودیوں نے اپنی ائر لائنز سروس میں مسافروں کا دل بہلانے کے لئے شوخ و نیم عریاں لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں جو غارت گر ایمان ہیں اور کوشش کے باوجود بار بار ان کی نیم عریانی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

خواجہ صاحب ایک مولوی احمد گل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی دعا سے ایک کرنل کے ہاں 25 سال بعد اولاد ہوئی (بحوالہ صفحہ 155) انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ایک بار دعا کی جس کی وجہ سے جی معین الدین کو پھر زندگی میں کبھی دل کا دورہ نہیں پڑا۔ (بحوالہ ص 160) خدا معلوم وہ ان تمام باتوں کی تشہیر کیوں کرتے ہیں؟

تاہم ان کا ادبی ذوق اچھا ہے۔ انہیں زبان اور انداز بیان پر پورا عبور حاصل ہے۔ جچے تلے اور برمحل الفاظ اور فقرات منتخب کرتے ہیں۔ اقبال اور دیگر فارسی اردو شعراء کے بہت اچھے شعتیہ اشعار قلم بند کئے ہیں جو ان کے ادبی ذوق کی دلیل ہیں۔ ان کی شوخیٔ تحریر موزونیٔ الفاظ و جدّت خیال نے اس متبرک و ایمان افروز حکایتِ جذب و شوق کو ادب پارہ بنا دیا ہے۔

مسافر حرم -- کرنل غلام سرور

****

مسافر حرم، کرنل غلام سرور کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے مطبوعات حرمت راولپنڈی نے شائع کیا ہے۔ اس حج نامے کا ٹائیٹل ہلکا سبز ہے اور خانہ کعبہ و روضۂ رسول کی تصاویر سے مزّین ہے۔ بلحاظ ضخامت یہ درمیانی سی کتاب ہے اور کل 235 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں فاضل مصنف نے پچیس امدادی کتب کی فہرست شامل کی ہے۔

سب سے پہلے انتساب کا مرحلہ ہے اور کرنل صاحب نے اپنے جذبات و احساسات کی نمائندگی بھرپور انداز میں اس طرح کی ہے

" آفتاب عالم تاب، محسن انسانیت حضور اکرم (صلعم) کے حضور
ایک ذرّہ مقدار کا نذرانہ
در جہان ذکر و فکر انس و جاں
تو صلوٰۃ صبح ، تو بانگ اذاں

اس سفرنامے کو چوبیس عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ گھر سے روانگی ، کراچی سے جدّہ تک، حرم پاک کے سائے میں، مکّہ کے کوچہ و بازار، کچھ بیت اللّٰہ کے بارے میں، مکّہ مکرمہ کی تعمیر نو، منٰی سے عرفات تک، مناسک حج ، فلسفۂ حج ، مکّہ سے روانگی ، غزوۂ بدر ، بدر سے مدینہ منوّرہ تک، مسجد نبوی میں حاضری، مدینہ کے مقامات، غزوات احد و خندق ، وطن کو روانگی وغیرہ وغیرہ

یہ عنوانات بظاہر چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن ان میں فاضل مصنف نے بہت کار آمد معلومات فراہم کی ہیں۔ معمولی چیزوں کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ وہ اسی دیار کے باسی ہیں اور ایک میزبان کی حیثیت سے آنے والے مہمانوں کو نئی اور مفید معلومات سے سرفراز فرمانا چاہتے ہیں مثلاً "مکّہ مکّرمہ کی تعمیر نو" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

> " اس منصوبے کی انوکھی بات یہ ہے کہ اس کی تکمیل کے بعد شہر میں آنے والا اور قیام کرنے والا ہر مسلمان جب بھی اندرون شہر کہیں آنے جائے گا تو وہ حالت طواف میں ہو گا۔ سعودی حکومت کی کوشش ہے کہ حجاج کرام کو حالت طواف اور ارکان حج کی ادائیگی میں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان میسّر آ سکے۔" (ص 116)

قاری ہر عنوان کے حوالے سے اپنے آپ کو دیار حرم کا مسافر محسوس کرتا ہے۔ کتاب کے ایک ایک لفظ سے مصنف کے ذوق و شوق اور حسن طلب کا احساس ہوتا ہے۔ وہ شروع میں ہی تحریر کرتے ہیں کہ ان کے والد اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللّٰہ تعالیٰ میرے بیٹے کو قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ مند فرما اور حج بیت اللّٰہ کی زیارت سے سرفراز فرما۔ لہٰذا ابّا حضور کی دعا اس لحاظ سے قبول ہوئی کہ ان کے بیٹے (غلام سرور) کو تفہیم قرآن و دین سے صحیح معنوں میں آشنائی ہوئی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ والد صاحب اپنی زندگی میں اپنے ہونہار بیٹے کو ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ مند نہ کر سکے۔ اس طرح ان کی دوسری دعا بھی قبول ہوئی۔ نہ صرف وہ اکیلے حج بیت اللّٰہ کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے، بلکہ اپنی رفیقۂ حیات کو بھی اس متبرک سفر میں شامل سفر کیا۔

فاضل مصنف تحریر کرتے ہیں کہ مشیت ایزدی کو یہ متبرک سفر منظور تھا لہٰذا چند برس پہلے ان کا چھوٹا بھائی، جو کہ میجر کے عہدہ پر تعینات تھا، رائل ملٹری کالج ریاض میں بطور انسٹرکٹر، حکومت پاکستان نے بھیجا۔ اسی میجر کے توسط سے کرنل غلام سرور کو بھی

حجازِ مقدّس میں جانے کا موقع ملا۔ سارے کاغذات میجر صاحب نے پورے کروا دئیے اور آخری وقت ان کا ویزا حج اور ٹکٹ مل گیا اور انہوں نے رختِ سفر باندھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حج نامہ بڑے فلسفیانہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ قدم قدم پر مصنف اپنے مشاہدات کو منطقی انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ یہاں زائر حرم کے ساتھ ساتھ احتسابی عمل بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔ بعض جگہوں پر حقیقت بیان کے ساتھ ہدایت دہندہ نظر آتا ہے۔

سعودی عرب میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کے نام پاکستان میں کئی خطوط لکھے، ان میں سے بارہ خط اس حج نامے میں شامل ہیں۔ ان خطوط کو دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ دوسرے پاکستانیوں کو بھی صحیح حقائق سے آگاہ کرتا نظر آتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

" سعودی عرب میں جرائم کی تعداد بہت کم ہے۔ کوئی ڈاکہ نہیں، قتل و غارت نہیں، ہر بڑے جمہوری ملک میں گناہ کے دلال، شراب و شاھد کے بازار لگا کر بیٹھے ہیں لیکن حجاز میں اس کا تصّور ہی نہیں رہا چوری چھپے کا سوال، تو انسانی نفس کا شر ہر جگہ موجود ہے۔ حجاز اس سے مبرّہ نہیں تو ملوث بھی نہیں۔ سعودی قانون نے جرائم کی ہڈیاں توڑ دی ہیں۔" (بحوالہ نواں خط، ص 104)

کرنل صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے علماء اور ادباء کا مطالعہ کیا ہوا ہے اور ان کے نظریات سے اچھی طرح آگہی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی مواقع پر جب بھی کسی کتاب کا حوالہ دینا چاہتے ہیں تو عظیم مصنفین کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ یعنی اپنے مشاہدات اور نظریات کی صداقت کی دلیل کے طور پر اس طرح کے فقرات تحریر کرتے ہیں کہ " مولانا نعیم

صدیقی لکھتے ھیں .....(ص 192) یا پھر سیّد اشفاق نقوی کے خیال میں .... اسی طرح مولانا مودودی کا خیال ھے کہ ....." (بحوالہ ص 201)

کرنل صاحب کے انداز تحریر میں سادگی کے ساتھ ساتھ طالبانہ شکوہ بھی موجود ھے۔ انھوں نے عام الفاظ کو روداد کا جامہ پہنا دیا ھے۔ یوں لگتا ھے کہ قاری فصاحت و بلاغت کی بھول بھلیوں میں گم ھو گیا ھے۔ مثلاً

" یہی وہ مقام ھے جہسے اللّٰہ تعالی کی حکمت بالغہ نے حق و باطل کے درمیان تصادم کی پہلی امتحان گاہ بنایا۔ حق کو ظاھری وسائل و اسباب کی فروماندگی کے باوجود کامرانی و فیروز مندی سے سرفراز کیا اور باطل کو سازو سامان کی فراوانی نیز تعداد کی کثرت کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی ۔ غزوۂ بدر سے باطل کی جانکنی کا دور شروع ھوا۔ "

(بحوالہ غزوۂ بدر ۔ معرکۂ حق و باطل، ص 190)

اس حج نامے کی ایک خوبی یہ ھے کہ بعض جگہوں پر حسب ضرورت مکّہ اور مدینہ شریف کی خوب صورت تصاویر بھی شامل کر دی گئی ھیں مثلاً مزدلفہ، منٰی ، میدان عرفات وغیرہ تاکہ پڑھنے والے آسانی کے ساتھ ان مقامات کا جائزہ لے سکیں۔

فاضل مصنف کا ایک منفرد انداز تحریر ھے۔ اس حج نامے کے مطالعہ کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ھے کہ وہ ادیب کم ھیں لیکن کرنل کا عہدہ اور اندازو اختیار نمایاں ھے۔ گویا وہ مجموعی طور پر کرنل ھی ثابت ھوتے ھیں۔ الفاظ کی نشست و برخاست اور برتاؤ اس بات کی خصوصی طور پر نشان دھی کرتی ھے۔ تاھم انھوں نے عام مسلمانوں کے محسوسات پر بہت زیادہ زور دیا ھے۔

کرنل صاحب نے کئی جگہوں پر خوبصورت تشبیہات پیش کی ھیں ۔ دیار حرم اور اس سے منسلک

مقامات کی بہترین اور دلکش انداز سے منظر کشی کی گئی ہے۔ پاکستان سے روانہ ہونے کے بعد وہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کا طلب گار نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی نشاۃ الثانیہ کا بغور مطالعہ کرتا ہے۔ اسلامی شعائر و تعلیمات کے ارض مقدس میں جلوے محسوس کرتا ہے۔ اس کا ایک ایک رواں، حمد و نعت کے آھنگ سے ہم نوا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا وجود تابع رسول ہو جاتا ہے۔ یہاں تو وہ دنیا داری، لالچ و طمع اور جاہ و حشمت، سب چیزوں سے ہٹ ہو کر اور منہ موڑ کر صرف مشیتِ ایزدی کے سانچوں میں ڈھل جاتا ہے۔ اس وقت اس کے دماغ کی مثبت سوچ بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی ہے اور وہ صرف دل کی حکومت اور دلی جذبات کے سہارے اللّٰہ ربّ العزت کے حضور اس طرح حسن طلب کا روادار ہوتا ہے۔

" الٰہی ! تو مجھے ان میں سے بنا جو حج کر کے پاک و صاف
ہو جاتے ہیں اور آخر تک پاک صاف رہتے ہیں۔ الٰہی تو
مجھے دنیا کی محبت کے جال سے بچا اور زندگی کی ابدی
قدروں سے پیار سکھا۔ الٰہی جب تک جیوں، تیرے اور تیرے
رسول کے نام کو حرز جان بنائے رکھوں اور تیرے اور تیرے رسول
کی خوشنودی کے کاموں میں لگا رہوں، آمین " (بحوالہ ص 235)

آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سفرنامہ " مسافر حرم" بہت معلوماتی کتاب ہے۔ مصنف نے جو کچھ دیکھا ہے اور جس طرح محسوس کیا ہے اسے صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ بعض جگہوں پر املاؔ کی اغلاط موجود ہیں اور انہوں نے الفاظ کے صحیح انتخاب کو مدنظر نہیں رکھا۔ مگر مصنف کے جذبوں کے پیش نظر یہ چیزیں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ فوجی افسر ہیں، ان کا کام تو حکم دینا ہوتا ہے، املاؔ کی اغلاط اور درست اردو کے ضمن میں اگر چند کوتاھیاں ہو جائیں تو انہیں اس کے جذبات و احساسات کی کم مائیگی تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

زهے نصیب -- زبیدہ حیئی

زہے نصیب، زبیدہ حیئی کا عمرہ کا سفرنامہ ہے۔ یہ انہوں نے 1983ء میں کیا تھا۔
یہ کتاب 183 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے نعت اکادمی فیصل آباد نے شائع کیا ہے۔ شروع میں انتساب ہے جسے یوں تحریر کیا ہے " والدہ مرحومہ کی اس تڑپ کے نام کیا ہے جو سفر حجاز کے لئے تمام عمر ان کی رفیق رہی ، زبیدہ حیئی بہت اچھی شاعرہ ہیں۔ اس سے پہلے ان کا شعری مجموعہ " آغاز " کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔

اس کتاب کے شروع میں بھی انہوں نے خوبصورت قطعہ تحریر کیا ہے جس سے ان کے ذوق شعری کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ گریزاں کشتی و ساحل سے ہر طوفاں ہو جائے
کٹھن راہوں پہ منزل کا سفر آساں ہو جائے
شعاع نور سے تاریکیاں دنیا کی روشن ہوں
در حق پہ اگر سجدہ گزار انساں ہو جائے

" زہے نصیب " کے شروع میں افضل علوی نے " سخنے چند " تحریر کیا ہے۔ انہوں نے محترمہ زبیدہ حیئی کے فن پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

" ان کا یہ سفرنامہ فقط ایک سفرنامہ ہی نہیں بلکہ پاکیزہ جذبوں کی ایک ایسی دل آویز دستاویز بھی ہے جس کی ایک ایک سطر میں اور ایک ایک حرف میں ایمان کی حرارت، تاثرات کی صداقت اور فکر و نظر کی طہارت ھلکورے لیتی محسوس ہوتی ہے۔ "

یہ ایسی دستاویز ہے جو انہوں نے حجاز مقدس کے سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھی ہے یہ اپنے اندر ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ مقامات مقدسہ سے قابل رشک عقیدت کا اظہار لئے ہوئے ہے جسے شگفتہ اور والہانہ انداز بیان نے فن کے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے جو صرف زبیدہ حبش کا حصہ ہے۔ باطنی کیفیات کو پڑھتے پڑھتے منظر کشی ، مصوّری کا عکس پیش کرتی ہے جس کا تاثر نہ صرف دیر تک قائم رہتا ہے بلکہ مصنفہ کے انداز تحریر کی انفرادیت کا احساس بھی دلاتا ہے۔

فاضل مصنفہ نے اس حج نامے کو چھوٹے چھوٹے عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے جیسے خدائی میزبان ، بھول ، سیاہ لکیریں ، الجھاؤ وغیرہ وغیرہ " زہے نصیب " میں جا بجا نعتیہ اشعار ، استعارے ، کنائیے ، ضرب الامثال اور تاریخی واقعات کا تذکرہ تحریر کو اس قدر پرلطف بنا دیتا ہے کہ اس کا احساس پڑھنے والے کو سحر زدہ کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں عزیز و اقارب کے ذکر کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ تحریر کے حسن میں اضافہ کا باعث بنا ہے۔ بیان کے تسلسل کے ساتھ ساتھ عنوانات اور ذیلی عنوانات کی تجویز نے تحریر میں تنوّع کا حسن اجاگر کر دیا ہے۔

اس سفرنامۂ حج کو جس محبت اور عقیدت سے تحریر کیا گیا ہے ، یہ مصنفہ کے ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔ کتاب میں بعض اوقات چٹکلے موتیوں کی طرح جڑ دیئے گئے ہیں اور روزمرہ زندگی کے واقعات بعض جگہوں پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ زیر لب مسکراہٹ کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہے مثلاً صفحہ 173 پر " چھتہ بازار " کے عنوان سے لکھتی ہیں کہ

> " ایک صبح میں فراک جانگیہ پہنے چھرے والی بندوق ہاتھ میں تھامے ، نگاہیں بھولی بھالی چڑیوں ، فاختاؤں اور شہر کوؤں کی تلاش میں کسی ماہر کھوجی کی طرح درختوں پر مرکوز چلی جا رہی تھی کہ یکایک میرا دایاں پاؤں کسی چیز سے ٹکرا گیا ، فوراً جھک کر دیکھا تو وہ بھڑوں سے بھرا ہوا بڑا

> سا چھتہ تھا جو تازہ تازہ درخت سے گرا تھا پلک جھپکنے میں تمام بھڑیں نقل مکانی کر کے میری ٹانگوں پر آباد ہو گئیں اور پوزیشن سنبھالتے ہی فائر کھول دیا۔ میں پوری طاقت سے چیخنے چلانے لگی ، میں چلتی رہی بالکل اس طرح جیسے سلامی کے چبوترے کے سامنے اکڑا ہوا سپاہی رک رک کر چلتا ہے۔ "

زہے نصیب، حج اور عمرہ ادا کرنے والوں کے لئے معلومات ہی بہم نہیں پہنچاتی بلکہ ناظرین کے دلوں میں روشنی اور آنکھوں میں چمک بھی پیدا کرتی ہے۔ مصنفہ نے انسانی اقدار کو خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی ، انتہائی خوبصورتی ، توازن اور اعتدال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بے ساختہ پن ، روانی اور معصومانہ انداز تحریر قاری کے مزاج کو نتھارنے اور نکھارنے میں ممدو معاون ثابت ہوتا ہے۔ کتاب میں موجود مشاہدات کا بیان متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کا مذہب، تاریخ اور حالات حاضرہ کا مطالعہ بہت عمیق ہے۔ اس لئے اس سفرنامے میں علم و ادب کے علاوہ تاریخ اور حالات حاضرہ سے با خبری کے موتی بکھیرے ہیں۔ فطری طور پر انسان کے اندر بسے ہوئے حسن عجز کو حسن بیان سے بے نقاب کر دیا ہے جو مصنفہ کے زور قلم اور قلبی وجدان کا پتہ دیتا ہے۔ " زہے نصیب" کا انداز بیان قاری کو ایک ہی نشست میں کتاب ختم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے جس میں محاکاتی عمل ناقابل بیان حد تک خوبصورت رنگوں سے مزّین ہے مثلاً " اجنبی لڑکی " کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں

> " اپنی جگہ سنبھال کر اردگرد کا جائزہ لینا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اسی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے میں نے سرسری نگاہ مسافروں پر ڈالی ، جس طرح تتلی چمن میں اپنے لئے گل خوش رنگ پسند کرتی ہے۔ میری طائرانہ نگاہ بائیں ہاتھ بیٹھی ہوئی نوجوان لڑکی پر رک گئی .... سفید دوپٹہ، پھول دار لباس، سڈول بدن ، گوری رنگت، موٹی آنکھیں ،

میٹھا پن، دھیما لہجہ جو مجھے پسند ہے۔ غرض اس کے ہر
زاویے سے شائستگی نمایاں تھی جیسے پھول کی مہک خود بخود
محسوس ہوتی ہے۔ "

کتاب میں تشبیہاتی اور استعاراتی اوصاف نے اوج کمال حاصل کیا ہے۔ وہ صفحہ 142 " حسن باطن " کے عنوان کے تحت لکھتی ہیں

" آنکھوں کو بھلے لگتے نقوش، سرخ و سفید گولڈن سیب جیسی
رنگت جس پر غازے کی تہہ نہیں جمی، نہ ہی انگلیوں پر نیل
پالش ہے، ملائم بے داغ ریشمی جلد اور گلاب کی پتیوں جیسے
لپ اسٹک سے بے نیاز لب .... یہاں غزالی آنکھوں پر خمدار
پلکیں جھالر کئے رہتی ہیں اور خواتین کسی بیوٹی پارلر کی
محتاج نہیں۔ "

ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصنفہ کے ہاں افسانوی رنگ کس قدر نمایاں ہے۔ پورے سفر نامے میں تقریباً یہی رنگ نمایاں ہے۔ بعض اوقات قاری دھوکہ کھا جاتا ہے کہ یہ حج نامہ نہیں بلکہ پنجاب کی لوک کہانی زیر مطالعہ ہے۔

اس سفرنامے میں جابجا علامہ اقبال کے خوبصورت شعر درج کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس تخلیق کا حسن اس وقت دوبالا ہو جاتا ہے جب قرآن شریف کی آیات اور اصحاب رسولؐ کے اقوال نمایاں انداز میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح زبیدہ حبیبی کے اپنے نعتیہ اشعار بہت زیادہ موجود ہیں۔

یہ سفرنامہ جہاں علمی اور ادبی تسکین کا باعث ہے وہاں عمرہ اور زیارات مقدسہ کے شرعی آداب کے قابل اعتماد ترجمانی بھی کرتا ہے اور معلومات کا ایسا خزانہ ہے کہ جن لوگوں کو ابھی تک روضۂ رسول اکرم (صلعم) پر حاضری کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی، ان کے لئے

ایک ایسا روحانی سفر ہے جو باعث تسکین ذات بھی ہے اور حصول راز حیات بھی۔ " زہے نصیب " کے ہر ایک صفحے میں ادبی حسن بدرجۂ اتم موجود ہے گویا یہ ایسا نگار خانہ ہے جہاں حج اور عمرہ سے متعلق تمام تصاویر پوری شرحی حسن کے ساتھ جلوہ افروز ہیں اور قاری اپنی پسند کی تصویر دیکھ سکتا ہے اور باطنی طور پر لذّت محسوس کر سکتا ہے۔

اس حج نامے سے متعلق محترمہ زبیدہ حبیش کے اسلوب بیان کی بابت آسنہ احمد سعید نے یوں تحریر کیا تھا۔ مضمون زبیدہ حبیش ۔ فن اور شخصیت

> " زہے نصیب بہت سے ادبی محاسن کی حامل تحریر ہے جس میں گھلاوٹ بھی ہے اور حلاوت بھی ، دبی دبی شوخی بھی تو تیکھی تیکھی سنجیدگی بھی ۔ بالفاظ دیگر شوخی ہے مگر متانت کے ساتھ، سنجیدگی ہے مگر ذہانت کے ساتھ "
>
> (بحوالہ روزنامہ مشرق، 6 جون 1984ء)

یہ سفرنامہ اپنے اندر عقیدتوں اور محبتوں کے ایسے گہرے نقوش لئے ہوئے ہے جو قلب انسانی کے لئے طمانیت کا باعث اور ذریعہ ہیں اور ان سے اہل دل منزل کا پتہ پاتے ہیں۔ اپنی محبتّوں کو جلا بخشتے ہیں اور اہل درد کا شیوہ اور مقصود حیات ہے۔

درج بالا تمام اوصاف کا سہرا زبیدہ حبیش کے سر ہے جنھوں نے یہ سفرنامہ عقیدتوں اور چاہتوں کی روشنائی سے تحریر کیا ہے اور اسے فکری اور فنّی اعتبار سے جدّت اور انفرادیت کا معیار بنا دیا ہے۔

جمال حرمین ۔۔ حافظ لدھیانوی

جمال حرمین، حافظ محمد افضل کا حج کا سفرنامہ ہے۔ یہ جنگ پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ چار سو چالیس صفحات پر مشتمل، اس سفرنامے کا انتساب ان ارواح طیبہ کے نام ہے جنہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہا۔ یہ بہت سارے ابواب پر محیط ہے اور اس کے ان گنت ذیلی باب بھی ہیں۔ جس طرح ضخامت کے لحاظ سے، اس کا مرتبہ و فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح ادبی لحاظ سے یہ کاوش قابل ستائش ہے۔

حج کا یہ سفرنامہ، ایک خوش نصیب مسافر حرمین کے باسعادت سفر کی حکایت ہے۔ حافظ محمد افضل فقیر لدھیانوی کا جو مذھب سے لگاؤ وقتی نہیں بلکہ ان کا مذھب سے رشتہ موروثی ہے۔ نہ صرف حافظ لدھیانوی بلکہ ان کے اباؤ اجداد کا شمار مذھبی اکابرین میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حافظ صاحب کا مذھبی مطالعہ بڑا وسیع اور عمیق ہے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ وہ مدحت پیغمبر رسول مقبول یعنی نعت گوئی اور نعت خوانی دونوں سعادتوں سے بہرہ مند ہیں۔ ان کا تاریخ اور خاص طور پر تاریخ اسلام کا مطالعہ قابل صد ستائش ہے۔ فاضل مصنف کا زیر بحث سفرنامہ، حج کے سفرناموں میں اس طرح ممتاز ہے جس طرح خود مسافر حرمین اپنے ہمراہیوں میں۔

کتاب کے دیباچے میں مصنف نے اپنے سفر کی غرض و غایت کی توجیہہ مذھب کے حوالے سے پیش کی ہے، کتاب کے ابتدائی صفحات پر آیات کریمہ، جس میں حج کے بارے میں احکامات ہیں، علامہ اقبال کے ایک فارسی قطعہ اور مصنف کے گلہائے عقیدت بحضور سرور کونین آئینہ جمال کے عنوان سے رقم ہے

ہ		اس نے رقم کیا ہے سفرنامۂ حجاز

کیا نثر ہے کہ نظم گہر ہائے تابدار

آخری شعر مقطع میں شاعر حافظ لدھیانوی نے اس کی تاریخ تصنیف نکالی ہے

ہ		لکھے فقیر اس کی طباعت کا سال کیا

تصنیف سے ہے خود " شفق زاهد " آشکار

1397ھ

اس دیباچے کی نمایاں حیثیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں عربی ، اردو ، فارسی اور دیگر زبانوں میں رقم کئے جانے والے مختلف حج کے سفرناموں کا اجمالاً خاکہ پیش کیا ہے۔ مصنف کی یہ کاوش یقیناً بڑی معلوماتی اور انفرادی ہے جس سے اس کی علمی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کی تقریظ ملک کے معروف مذہبی خانوادہ گولڑہ شریف کے خادم الفقراء غلام نصیرالدین نصیر نے رقم کی ہے۔

مسافر حرم کا یہ سفر بحری جہاز کے ذریعے ہے اس لئے موصوف نے ابتداء میں آغاز سفر، بحری سفر، سمندر کے پیچ پیچ، حسن آور اور جلالی نظارے بڑے پرکیف انداز میں بیان کئے ہیں بحر بیکراں کی بیکرانیاں۔ قدرت کے حسین جلوے مصنف نے بڑے نرالے اور اچھوتے انداز میں اس طرح قلم بند کئے ہیں گویا اسے متحرک تصویر کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اسی طرح واپسی کے سفر کے تجربات بحری جہاز میں اموات کا واقع ہونا اور پھر ان کی نعشوں کے بعد سپرد آب کرنے کے کرب انگیز مناظر اور لمحات کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ دوسرے حصے میں " زیارت بیت اللّٰہ " کے بارے میں خاص تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں حج ، طواف اور عمرہ کے ارکان کے بارے میں احکامات اور سعی کو عملی شکل میں پیش کیا ہے۔

تیسرے حصے میں ذکر باری تعالی کے بعد ذکر حبیب کا بیان ہے۔ دربار رسول کے علاوہ سواد مدینۃ کا بھی ذکر بڑے مفصل انداز میں ہے۔ اسی طرح اس کے ذیلی ابواب یعنی " مسجد

نبوی کے ابواب"، " حرم کے مقامات مقدسہ"، " اسطوانات مسجد نبوی"، " جنت البقیع"، " زیارات مدینۃ منوّرہ"، " مسجد نبوی اور حرم پاک"، " شہر رحمت کے مختلف مقامات کے بارے میں تاثرات" ، " جامعۃ اسلامیۃ مدینۃ منّورۃ" کے بارے میں ایک سیّاح اور زائر حرم کی حیثیت سے بڑی وسیع معلومات کا خزانہ ھے جو نہ صرف دلچسپ انداز میں بلکہ قاری کو مسافر کے ساتھ ساتھ مناظر دیکھنے، ان کی زیارت کرنے، ان کے بارے میں اپنے تجسّس کو برانگیخت کرنے کی دعوت دیتا ھے۔ ان درج بالا ابواب میں ان مقامات کے بارے میں معلومات کے خزینے لٹائے ھیں۔ مختلف مقامات اور صحابۂ کرام سے متعلق خاصی تفصیل کے ساتھ اصل حقائق پیش کئے ھیں۔ مدینۃ منورہ سے واپسی پر حافظ کے تاثرات اور جذبات دیدنی ھیں۔ وہ ایک سچّے مسلمان کی طرح روضۂ رسول کو آنکھوں سے اوجھل نہیں کر سکتے۔ لیکن مناسکِ حج اور بلاوا خدائے حبیب آڑے آتا ھے اور زائر روضۂ الرسول صلعم چھوڑنے پر مجبور ھو جاتے ھیں۔

مدینۃ منّورہ سے واپسی پر راستے میں پیش آنے والے واقعات بڑے دلچسپ انداز میں بیان کئے ھیں۔ " حج کے پانچ روز " کے عنوان سے مسافر حرم کے مناسکِ حج کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ھے۔ مکّہ مکّرمۃ سے منیٰ کا سفر، میدان عرفات میں اجتماع عظیم، خطبۂ حج اور اس کے دوسری زبانوں میں تراجم، تمام امّت مسلمۃ کا بلا امتیاز رنگ و نسل، ملک و ملت اور حیثیت اجتماع، اس بات کا بیّن ثبوت ھے کہ اسلام توحید پرست بلکہ وحدت پرست دین ھے۔ عرفات سے مزدلفہ اور منیٰ میں قیام اور قربانی تک کے تمام مناسکِ اس انداز سے بیان ھوئے ھیں گویا قاری یہ تمام فریضے خود انجام دے رہا ھے۔

مناسک حج کے بعد، بیت اللّٰہ اور اس کے اطراف و جوانب میں مقامات مقدسۃ جن میں حضور اکرم کے حرم مبارک حضرت خدیجۃ الکبریٰ، غار حرا، غار ثور، دار ابو سفیان، جنت معلیٰ کے بارے میں بڑی ایمان افروز معلومات فراھم کی ھیں۔ مدینۃ منور سے واپسی کے وقت الوداعی طواف کے جذبات بھی دیدنی ھیں۔ الوداعی طواف کے بعد حافظ لدھیانوی واپس حاجی کیمپ جدّہ آیا

مگر نم دیدہ اور یاس کے عالم میں کہ وہ شاید دیار ربّ عز و جل اور دیار حبیب کو دوبارہ ان آنکھوں سے نہ دیکھ سکے، ہو سکتا ہے کہ زندہ تو ہو مگر اس کے حالات ﷺ اور قوی اس کی یاوری نہ کر سکیں اور وہ دوبارہ اس کی حسرت لئے زیر زمین چلا جائے۔ پھر تقدیر، وہ دوبارہ دخانی جہاز میں سوار ہو کر سمندری لہروں کے دوش پر اپنے وطن عزیز کو لوٹتا ہے۔ واپسی پر وہ جہاز میں ہونے والے فوتیدگی اور جہاز کے عملے اور ان کے اخلاق حسنہ کی تعریف کرتاھے۔ واپس کراچی پہنچ کر وہ درج بالا واقعات کا بیان کرتا ہے۔

جمال حرمین کا مصنف کسی تعارف کا محتاج نہیں پہلے وہ غزل گو کی حیثیت سے معروف تھا پھر نعت گو کی حیثیت سے پہچان ہوئی ۔ جمال حرمین شاعر کے سفر حجاز کی داستان ہے جو اس نے خون دل سے لکھی ہے۔ قدم قدم پر تجسّس اور تردّد میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصنیف میں جزئیات نگاری بدرجہ اتم ہے، جو کچھ ظاہر کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اسے لفظوں کی مالا میں پرو دیتا ہے۔

اس کتاب کی ایک اور خوبی ادب کی چاشنی ہے۔ مصنف نے عربی ، فارسی اور اردو کے کئی الفاظ یکجا کر دئیے ہیں اور ان میں صوتی آہنگ پیدا کر دیا ہے۔ خوبصورت الفاظ اور برمحل واقعات نے ان میں ترنم اور موسیقیت پیدا کر دی ہے۔ جیسے یہاں ملاحظہ فرمائیں ،

" ریاض الجنۃ میں آٹھ ستون ہیں ، ہر ستون نور کا مینار،
فضیلت کا مرکز ، سعادتوں کا مظہر، سرور و کیف کا مصدر،
محبوب خدا (صلعم) کے کرم کی نشانی ، قبولیت دعا کی جگہ
اور نجات و مغفرت کا آئینہ دار ہے۔ " (ص 141)

ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف کا انداز بیان سادہ اور رواں ہے۔ جب بھی وہ متبرک مقام دیکھتا ہے، سراپا مشاہدہ بن جاتا ہے۔ دل میں حسرت دیدار اور نور شوق فروزاں ہو جاتے ہیں ،مثلاً الوداعی طواف کا منظر ملاحظہ فرمائیں

" یہ کعبتہ اللہ کو آخری بار دیکھنے کی گھڑیاں تھیں ....

یہ لمحات انعام و اکرام غیر مختتم برکات کے حامل تھے ...

عمر بھر کا سرمایہ ہے۔" (ص 363)

اس سفرنامے کے بارے میں جو مجموعی اور عمومی تاثر قائم ہوتا ہے، اس کی خاص باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سفرنامہ کسی یورپی افریقی یا ایشیائی ممالک کا نہیں جس میں سیّاح شہر، علاقہ اور اس کے باسیوں کی رنگینیوں اور ان ترانوں کو بڑی ملمع کاری کے انداز میں بیان کرے اور قاری اس میں دلچسپی لے۔ یہ خالص مذہبی سفر کی حکایت ہے۔ جس میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سفر کی حکایت جس انداز سے بھی بیان کی جائے لوگ اسے مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے، اس پر غور و تحقیق نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں ان کی معلومات ان کے بارے میں سطحی قسم کی ہوتی ہیں۔ لہذا یہ عذر بھی مصنف کے لئے قابل معافی ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ سفرنامے کی اپنی فضا اور اپنے تاثرات ہوتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ قارئین کو بھی اپنے ساتھ شریک سفر کرنا اور سفر کے دلچسپ مناظر سے ان کو محظوظ کرانا بھی ضروری ہوتا ہے۔

حافظ لدھیانوی نے ان امور سے عہدہ برآ ہونے کی حتی الامکان کوشش کی ہے تاہم ان سے بعض مقامات پر چوک بھی ہوئی ہے، جیسے اہم واقعات لکھتے ہوئے تاریخی حوالے نہیں دیتے لیکن اس کے محاسن کی بنا پر یہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ بعض مواقع پر مصنف دلچسپی برقرار رکھنے میں ناکام ہوتے لگتا ہے تو اس کے اشعار ان پر صل انگیز کا کام کرتے ہیں اور دلچسپی پلٹ آتی ہے۔ نعت گوئی میں مصنف کا مقام بھی منفرد ہے۔ مجموعی طور پر یہ سفرنامۂ حج بہت کامیاب ہے۔ مصنف نے بعض مقامات پر غلط شعر درج کر دیئے ہیں اور شاعر کے نام تک غلط درج کیے ہیں جیسے ص ۲۰۴ پر میر درد کا شعر اقبال کے نام اور دوسرا مصرعہ بھی غلط سمجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے۔

مشاہدات حرمین ۔۔ سیّد اسعد گیلانی

=============================

مشاہدات حرمین، سیّد اسعد گیلانی کا سفرنامہ حج ہے۔ یہ کتاب 240 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور نے چھاپا ہے۔ اس کے کل پانچ باب ہیں۔ شروع میں ایک خوبصورت شعر درج ہے

سہ سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

سفر خواہ طویل ہو یا مختصر بہرطور فرض و غایت سے خالی نہیں ہوتا لیکن مبارک ہے وہ سفر اور وہ قدم جو راہ حق میں اٹھتے ہیں۔

سیّد اسعد گیلانی کا یہ سفر کیمپ میں حکیم خورشید انور کی تحریک پر 13 اگست 1976ء کو کیمپ یاترا کی صورت میں شروع ہوا۔ جو بعد ازاں سفر حج میں تبدیل ہو گیا۔ اس کا مصنف کو اشتیاق تو تھا لیکن خیال نہ تھا ۔ اس بات کا ذکر مسافر حرم اسعد گیلانی نے اپنی تصنیف " مشاہدات حرمین " کے دیباچے میں اور ایک مضمون شامل کتاب بعنوان " حج اور طوفان آرزو " میں کیا ہے۔

" بہت سا سفر طے بھی ہو گیا اور مجھے اس کا شعور بھی نہیں تھا کہ میں یہ سفر حج طے کر رہا ہوں .... اب جو تم کیمپ تک آ گئے ہو، مناسب ہے کہ عمرہ بھی کرتے جاؤ۔" (ص 37)

کتاب کے آخری حصہ میں شامل خطوط کی عبارتوں اور متن سے بھی اس بات کا اعادہ ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مقدس سفر کیمپ سے شروع ہوتا ہے اور کیمپ میں ہی ختم ہوتا ہے۔ سیّد

اسعد گیلانی کویت سے ادائیگی عمرہ اور بعد ازاں حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ 27 اگست کو ارض مقدس جدّہ ائر پورٹ پر اترتے ہیں اور وہاں سے مکّہ مکرمہ شریف جانے کا قصد کرتے ہیں تاکہ عمرہ و طواف ادا کر سکیں۔

حسن اتفاق ، جس ماہ مبارک میں وہ خانۂ خدا میں ہیں، وہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ انہوں نے خانۂ خدا میں اہل ایمان کی افطاری کے مناظر جذب ایمانی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

فاضل مصنف نے مختلف مواقع پر مناسک حج اس انداز سے بیان کئے ہیں کہ گویا ہم ایک کیمرہ مین کے ساتھ گھوم رہے ہیں، جو جگہ جگہ ٹھہر کر ہر مقام کی عکس بندی کر رہا ہے اور ساتھ ہی اس پر رواں تبصرہ اس طرح کرتا ہے کہ وہ تمام مقامات اپنی تاریخ اور مذہبی تقدسات کے ساتھ ہماری چشم بصیرت میں گھومنے لگتے ہیں۔ اسی طرح مدینۃ منورہ، گنبد خضریٰ اور سواد کا ذکر بھی اس جوش و خروش سے کرتا ہے کہ ہر وہ دل جس میں تاجدار مدینۃ اور اس کے شہر کی زیارت کی کسک موجود ہے۔ وہ اس سے بہرہ ور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ سفرنامہ کم اور مشاہدات نامہ زیادہ ہے اور اس بات کا اظہار دیباچہ میں خود مسافر حرم نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

> " میرا سفر حج یوں تھا جیسے آدمی جذب و وجد میں سفر کرتا ہے ۔۔۔۔ یہ ساری کیفیات اور باتیں کسی سفرنامہ میں نہیں آ سکتی تھیں کیوں کہ سفرنامہ میں " مسافر " زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے اور اس کے نمایاں ہوتے ہی تاثر اور کیفیت کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے حرمین کے مشاہدات اور اہم تاریخی مقامات کے تاثرات کو بیانیہ سفرنامے کی بجائے تاثرات و کیفیات کا ادبی لباس پہنانے کی کوشش کی ہے اور

اس میں تاریخ ، ادب، سیرت اور مشاہدہ سب کا عکس آ گیا
ہے۔ اس طرح یہ کتاب مشاہدات حرمین پر مشتمل ہلکے
پھلکے ادبی اور تاریخی اشاعوں کا مجموعہ بن گئی ہے
جس میں سفرنامے کی خشک اور بوجھل تفصیلات تو نہیں
ہیں لیکن سفر کے مشاہدات اپنی دلچسپ تاریخی اور ادبی
کیفیات کے ساتھ موجود ہیں۔ " (دیباچہ، ص 8)

مصنف کے درج بالا اقتباس سے اس سفرنامے کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اولاً یہ کہ یہ سفر خالص مذہبی اور فطری عقیدت پر مبنی ہے اور اس میں جذب و وجد کے علاوہ سیر کا بہت کم عمل دخل ہے۔ ہر مسافر کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی چشم سیار زیادہ وقت اپنے معبود کے در اقدس پر جمی رہے۔ ثانیاً یہ مصنف کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ جو مصنف پر اس مقدس سفر کے دوران منکشف ہوئے ہیں۔ ثالثاً مصنف کے تاثرات و کیفیات اور تاریخ و ادب و سیرت النبی اس طرح یکجا ہیں کہ انہوں نے تاریخی اشائیہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مصنف کے ان دعووں کا جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ اس کے شہ پارہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب " مکّۃ مکرمۃ " --- بارگاہ ارحم الراحمین " کے عنوان سے اس میں تیرہ ذیلی باب ہیں جن میں بیت اللّٰہ، سر زمین حجاز، غار حرا، دارا ارقم، منیٰ کا میدان، حجر اسود وغیرہ وغیرہ مشہور ہیں۔ان ذیلی ابواب میں زیادہ تر باتیں مناسک حج کے بارے میں ہیں جن سے اکثر اصحاب وقوف رکھتے ہیں البتہ جیاد کی چراگاہ، دارارقم، شعب ابی طالب، دار ابوجہل تاریخی اہمیت کے حامل مقامات ہیں جہاں حضور اکرم (صلعم) نے اپنے شب و روز اپنوں میں بیگانوں جیسے بسر کئے ہیں۔

" جدّہ میں صنم" جدّہ میں تھائی لینڈ کے سفارت خانے کے سامنے ایک بت کی تصویر

ہے جس کو دیکھ کر مصنف کے اندر چھپا ہوا بت شکن کا جذبہ کروٹیں لینے لگتا ہے۔

دوسرا باب " مدینۃ منوّرۃ — آغوش رحمت اللعالمین " کے عنوان سے ہے۔ اس میں اکیس ذیلی باب شامل ہیں۔ حاصل کائنات، دنیا کے عظیم ترین انسان آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کے بارے میں ہے جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور رحمت اللعالمین ہیں۔ " حضور کی گلی " " صدیوں کا مسافر "، اس میں مصنف نے اپنے قلب پر اس مقدس مقام کو دیکھنے کی واردات اور قلبی احساس کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ " حضرت فاطمۃ الزھرا کا مزار "، " جنت البقیع اور آنسو "، " حضرت عثمان کی قبر "، " گنبدِ خضریٰ "، " مسجد نبوی کا نظارہ "، " حرۃ شرقیہ "، " 313 مجاہد "، " جنگ بدر کے بارے میں تاریخی اور ایمان افروز باتیں رقم ہیں۔ " احد ، مہربان ہمسائیہ "، داستان امیر حمزہ، یہ کوئی داستانوی کردار نہیں بلکہ رسول اکرم (صلعم) کے چچا حضرت امیر حمزہ شہید کےبارے میں تاثرات پر مبنی حصہ ہے۔ " " سَلمان ابن اسلام "، " حضرت سلمان فارسی کے ایمان لانے اور اس کے لگائے ہوئے باغ کے بارے میں ہے۔ جس میں حضوراکرم (صلعم) نے بھی اپنے دست مبارک سے کھجوریں لگائیں۔ " یہودی کا کھنڈر " یہ ایک یہودی کعب بن اشرف کی حویلی ہے جس میں اسلام اور پیغمبر برحق کے بارے میں سازشیں ہوتی تھیں۔ آج بھی ایک بدنما داغ کی صورت میں درس عبرت دیتی ہے۔

" مسجد نبوی "، " درس قرآن "، " الوداع " ۔ اس حصہ میں مصنف مدینۃ سے اپنے رخصت ہونے کے بارے میں تاثرات اور جذبات بیان کرتا ہے۔

تیسرا باب " ارض مقدس سے " خطوط پر مشتمل ہے، اس حصے میں پچیس خط شامل ہیں۔ ان میں تین کیمپ سے حج سے قبل اور یہیں دوران حج مکّہ معظمۃ اور مدینہ منورہ سے اور دو خطوط حج کے فریضہ کی ادائیگی کے بعد کیمپ سے تحریر کئے ہیں۔ ان میں زیادہ خطوط مصنف نے اپنی اھلیہ کے نام رقم کئے ہیں۔ کچھ اپنی بہو اور کچھ اپنے بیٹے فاروق حسن کے نام رقم

رقم کئے ھیں، ان خطوط کے متن میں جو عنصر غالب ھے وہ حجاز مقدس جانے اور بعد ازاں ایمان افروز مناظر اور مقامات کے بارے میں معلومات اور تاثرات پر مبنی ھے۔

چوتھا باب " معلومات حج " کے بارے میں ھے۔ وہ بھی دس ذیلی ابواب پر مشتمل ھے۔ ان میں " ترانۂ بندگی ، حج کی دعا "، " سفر کے فاصلے"، " لوازمات حج "، " طواف کعبہ "، " حج ایک نظر میں "، " مثالی حج "، " حضور اکرم ؐ کا حج "، " حج کی دعائیں " اس حصے میں شامل تمام ابواب ایک قسم کی معلوماتی ھینڈ بک ھے۔ جس میں مناسک حج کے بارے میں مفید معلومات اور حج کی دعائیں شامل ھیں۔

پانچویں باب میں " بحضور رسالت مآب ؐ " میں منتخب نعتیہ اشعار ھیں جو مصنف کی شاعرانہ طبع نے ذوق سلیم کے مطابق جمع کئے ھیں۔ —— اس کتاب کے طائرانہ جائزہ کے بعد ھم ان کاوشوں کا جائزہ لیتے ھیں جن کا دعویٰ [1] مصنف نے اپنے دیباچے میں کیا ھے یعنی تاریخ ، سیرت اور ادب ۔ مصنف کا تاریخی ذوق اور مطالعہ بہت وافر ھے۔ وہ بعض مقامات پر تاریخی حوالہ جات فراھم کرتا ھے جس کا قارئین کی اکثریت وقوف نہیں رکھتی ۔ سیّد صاحب کے ساتھ بعض مقامات پر دیگر احباب بھی شامل ھوتے ھیں۔ جن میں ڈاکٹر محمد اسحاق رانا ، مولانا عبدالمجید مظاھری، صاحبزادہ خالد مدنی ، مولانا محمد شریف کیتی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ھے لیکن ان میں سیّد اسعد گیلانی کو میر کارواں کی حیثیت حاصل ھے اور بہت سے مقامات پر ایک جہاں دیدہ شخص کی طرح ان کی رھنمائی کرتا ھے۔

مصنف کا مطالعۂ [2] سیرت طیبہ بہت عمیق ھے۔ موصوف عربی زبان اور احادیث میں اچھی دسترس کا حامل ھے۔ اس کے سیرت طیبہ سے عشق کا اظہار، مضمون " صدیوں کے مسافر " سے ھوتا ھے۔ جہاں تک ان کے زبان و بیان کا تعلق ھے یہ بہت رواں ، سادہ اور سلیس ھے۔ مصنف کا انداز بیان اس قدر سادہ اور دلکش ھے کہ قاری کو عقیدت مندی کے علاوہ اس کی ادبی چٹخارے سے حظ حاصل ھوتا ھے۔

یہ سفرنامے کے ساتھ ساتھ ایک مشاہداتی ، تاریخی اور قلبی تاثراتی کتاب ہے اور مصنف اس میں خاصا کامیاب رہا ہے۔ تاہم اتنی ضخیم کتاب کو پانچ کی بجائے زیادہ ابواب پر مشتمل ہونا چاہئیے تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے باذوق شخص کو برمحل اشعار سے تحریر کو خوبصورت بنانا چاہئیے تھا۔

نور کی ندیاں ــ احمد خان درّانی

"نور کی ندیاں" احمد خان درّانی کا بہت خوبصورت حج کا سفرنامہ ہے۔ اس کا ٹائٹل ہلکے نیلے رنگ کا ہے اور ضخامت قدرے کم ہے، یہ کاروان ادب (ملتان) نے شائع کیا ہے ۔ درانی صاحب پریس کلب ملتان کے بانی اور اردو اکیڈمی کے رکن ہیں۔ انہوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کی سیاحت کی ہے۔ وہ تین بار حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں ۔ پہلی بار 1960ء میں اپنی والدہ محترمہ اور دو ہمشیرگان کے ساتھ حج کیا۔ دوسری بار 1978ء میں چند دوستوں کے ساتھ حج کی سعادت سے سرفراز ہوا اور تیسری بار اپنی بیوی کے اصرار پر 1980ء میں حج کا ارادہ کیا اور اس میں اتنا خلوص اور اپنائیت تھی کہ پہلے ہی سال ان کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا۔ یہ اسی حج کی روداد ہے۔ انہوں نے اپنے چالیس روزہ سفر حج کی روداد پندرہ قسطوں میں روزنامہ امروز کو بھیجی جو باقاعدہ چھپتی رہی اور یہ سفرنامہ امروز نے "نور کی ندیاں" کے عنوان سے قسط وار شائع کیا۔ یہ سفرنامہ پر از معلومات ہے بلکہ ایک طرح کی گائیڈ ہے۔ اس میں خاص دلچسپی اور ادبی چاشنی موجود ہے۔ واقعات کا تسلسل اور انداز بیان اس کی دلچسپی کو کم نہیں ہونے دیتا ۔ اس کا حرف آغاز اقبال ساغر صدیقی سابق ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ امروز ملتان نے تحریر کیا ہے، وہ اس کتاب کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "چھوٹے چھوٹے اور بظاہر غیر اہم واقعات کو بھی درّانی صاحب کی دوربین نگاہ نے دیکھا اور اس کی اہمیت کے مد نظر اس کا ذکر کیا ہے۔ خانہ کعبہ میں طواف اور نمازوں کا ذکر انہوں اس دردمندی اور دلی عقیدت سے کیا ہے کہ پڑھنے والا بھی

خود کو وہیں محسوس کرتا ہے۔ جگہ جگہ موزوں اور برمحل اشعار نے تحریر کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت پر یقین اور اس کی قدرت کاملہ کے بعض واقعات نے کتاب کو اور وقیع بنا دیا ہے۔"

احمد خان درانی نے اس کتاب کو پندرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب کا عنوان ہی اس کی دلچسپی اور اہمیت کا مظہر ہے۔ الوداع اے خانۂ خدا ۔ پندرھواں اور آخری باب بڑا رقت انگیز ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

"مکّہ سے نکل رہا تھا تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور حیران تھا کہ یہ شخص اتنا کیوں رو رہا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ میں کتنی بلندی سے پستی کی طرف جا رہا ہوں۔ آخری بار میں نے جب خانہ کعبہ کے میناروں پر نظر ڈالی تو کہا اللہ اکبر پھر ملیں گے، اگر خدا لایا۔"

درّانی صاحب بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہیں، مگر اکتساب اور مشاہدے نے انہیں بے حد اہم صحت بنا دیا ہے۔ یہ ان کا حج کا تیسرا موقع تھا، انہوں نے اپنے مشاہدات کو لفظوں کا حسین زیور پہنا دیا ہے۔ مختلف طرح کی بہت حیرت انگیز معلومات فراہم کی ہیں۔ اس سفرنامے میں ہمیں غیر معمولی الفاظ نظر آتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ ان کا روزمرہ ہے یا عجلت میں ان پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، مثلاً صفحہ 12 پر درج ہے کہ

"پھولوں کے ہار سنبھالتے ہوئے " فرطِ مسرت سے کہا ----

اسی طرح صحت سے " نے اور کو" کے استعمال میں بھی سہو ہوا ہے۔ جگہ جگہ ایسے ایسی الفاظ بہت زیادہ مل جاتی ہیں، مثلاً اسی صفحہ 12 پر ہی دیکھیں " میں نے سمجھا تھا

جب کہ جہاز نے چھ بجے جانا ہے تو ہم 4 بجے گھر سے چلیں۔" ائر پورٹ پر پتہ چلا کہ جہاز نے ٹھیک 4 بجے اڑ جانا تھا۔ " نفل " عموماً ادا کئے جاتے ہیں مگر یہاں واحد استعمال ہوتے ہیں۔ مصنف صفحہ 16 پر لکھتے ہیں کہ " ساتویں چکر کے اختتام پر دو نفل مقام ابراہیم پر جا کر ادا کیں۔ " ---- اسی طرح بعض جگہوں پر مزاحیہ انداز اختیار کیا گیا ہے مثلاً صفحہ 31 پر یہ شعر درج ہے

یہ میرا دل تو ہے بازار میں تجھے کیا ملے گا جہاز میں

املا کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف ادیب کم ہیں بلکہ صحافی زیادہ ہیں۔ چنانچہ زبان میں ادب کی چاشنی کم ہو گئی ہے بلکہ عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ جیسے صفحہ 29 پر " دکانوں " کو " دکانیں " کہا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ 64 پر خوراک کی کمی اور بے قاعدگی سے وہ ----- درج ہے اور صفحہ 43 پر لکھا ہے کہ ملتان میں رہ کر ساری عمر میں نہ کما سکتے یہاں " میں " کا اضافہ ہے۔ صفحہ 50 پر لکھا ہے کہ " گھر کی ایک الگ چابی دے رکھی تھی۔ " اور " گزشتہ تیس سالوں سے حضور کے در پہ حاضری دیتے آ رہے تھے۔ " ... صفحہ 52 پر درج ہے کہ " مسئلہ بڑی آسانی کے ساتھ حل کر دیا۔ " .... صفحہ 54 پر درج ہے کہ " بی بی عائشہ کی ڈیوڑھی کی خصوصی طور پر ایک محراب کی صورت دکھایا گیا ہے۔ اس سے ذرا پیچھے کر کے دائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ان کے پہلو میں لیٹے ہوئے ہیں۔"

" پاک فوجی جوان ، رب کعبہ کے مہمان " باب میں صفحہ 59 پر درج ہے " اب کے پھر انہیں پاکستانی سفارت خانے نے پاک فوج کے جوانوں کے لئے " ... صفحہ 63 " وہاں بھی ہمارا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ .... صفحہ 67 ۔ ہم گنہگاراں کو بھول نہ جانا " .... صفحہ 69 مدینہ شریف کی ائر پورٹ پر دو غیر مسلموں کی آمد کیسے؟ اسی صفحے پر لفظ " کوئی " تقریباً بیس دفعہ دہرایا گیا ہے، ہر فقرے کے شروع میں یہ لفظ بہت بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔ صفحہ 72 " مکہ میں چاند کو نکلے تین دن گزر چکے تھے۔ " .....

صفحہ 74 ۔ بڑی مشکل کے ساتھ ایک گھنٹے میں ہم نے تقریباً ایک فرلانگ فاصلہ " ۔۔۔۔ صفحہ 75 پر لفظ " ہم اور ہماری " بائیس مرتبہ دھرایا گیا ہے۔ ۔۔۔۔ صفحہ 76 ۔ "چاروں طرف کنات لگی ہوئی تھی " ۔۔۔ قنات کے معنوں میں ہے۔ ۔۔۔ صفحہ 94 ۔ شروع میں ہے " ایک حاجی نے منا میں چار دن قیام کرنا ہوتا ہے " اور لفظ کوئی ان دو صفحوں پر کئی بار دھرایا گیا ہے جو عبارت کی روانی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ ۔۔۔۔ صفحہ 96 ۔ " ہر سجدے میں پڑھ کر اللہ تعالی سے دعائیں مانگیں " ۔

باب پنجم " ہمارا تیسرا سعلم " کے عنوان سے ہے، میں لفظ ہم اور ہمارے بے شمار جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ پڑھتے ہوئے بار بار یہ لفظ طبیعت میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور مصنف کی ساری تحریر میں بناوٹ اور تصنع معلوم ہوتا ہے۔ گویا یہاں بے ساختہ پن کا فقدان قدم قدم پر قاری کا پاؤں پکڑ لیتا ہے اور یک گونہ الجھن محسوس ہوتی ہے۔

تاہم املا کی اغلاط کے باوجود درّانی صاحب کی تحریر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے اپنے سفرنامے میں حجاز مقدس میں مقیم لوگوں کی معاشرتی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے اور مجموعی طور پر جذب و شوق کی کیفیات کی عکاسی کی ہے۔

وطن سے وطن تک -- سیّد ابوالخیر کشفی
====================================

یہ کتاب مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو جامعہ نگر، جامعہ کراچی نے چھاپی ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب اسّی (80) صفحات پر مشتمل ہے، جس کے چھ باب ساٹھ صفحات پر مشتمل ہیں اور آخری بیس صفحات نعتوں کے لئے مختص ہیں۔

ڈاکٹر کشفی کی تحریر میں جو عالمانہ شکوہ موجود ہے، وہ بہت کم ادیبوں کا خاصا ہوتا ہے۔ فاضل مصنف نے انتساب میں خاصی جدّت پیدا کی ہے اور یہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ موصوف نے اپنے سات بہترین دوستوں بشمول والد گرامی کے لئے متبرک کلمات اور خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے۔

پہلا باب "سفر سے پہلے" شروع ہوتا ہے۔ یہاں خوبصورت شعر درج ہے۔

ہزار بار مجھے لے گیا مقتل میں

وہ ایک قطرۂ خوں جو رگ گلو میں ہے

دیباچے میں انہوں نے اپنی تعلیم اور نجی زندگی کا تجزیہ کیا ہے۔

دوسرا باب "آغاز سفر" ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو لسانیات کی تعلیم کے لئے امریکہ کا وظیفہ ملا۔ ان کی دونوں شرطیں تسلیم کر لی گئیں یعنی نیو یارک جانے سے پہلے سعودی عرب تشریف لے جانا اور پھر نیو یارک پہنچنا اور دوسری شرط یہ تھی کہ ان کا بیٹا بھی ساتھ جائے گا (ڈاکٹر صاحب کی بیوی پہلے فوت ہو چکی تھی)

تیسرا باب "لبیک لبیک" کراچی سے جدّہ کا سفر اور جدّہ پہنچنے پر روضۂ رسول کی

حاضری کے لئے روانہ ہوتا۔

چوتھا باب " ایک رات خانۂ کعبہ میں " سے متعلق ہے۔ مصنف بار بار طواف کرتا ہے صفا اورمروہ کے درمیان سعی کا عمل ان کا نظریاتی اور روحانی وظیرہ بن گیا ہے۔ اس کے بعد انہیں آب زمزم سے پیاس بجھانے کا اتفاق ہوا اور جی بھر کر پانی پیا۔

پانچواں باب " مکہ کے جلوہ زار میں " سے متعلق ہے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے حرم شریف اور اس کے قرب و جوار کا عمیق مشاہدہ ہے۔ جبل نور ، غار حرا میں کچھ وقت گزار کر واپس ہوئے اور پھر اوش حرم سے رخصت کی گھڑی آئی۔

آخری باب کا عنوان " اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر است" ہے۔ ڈاکٹر صاحب مدینۂ شریف کی بابت بڑے جذباتی انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مسجد نبوی اور گنبد خضریٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔ روضۂ رسول پر حاضری دی۔ جنت البقیع، میدان احد ، مسجد قبا، مسجد قبلتین، گویا یہ سب مناظر بڑے ذوق و شوق اور حسرت کے ساتھ دیکھئے ۔

اعلیٰ ادب، الفاظ کے ساتھ ساتھ لطیف خیالات کا بھی مرہون منت ہوتا ہے اور جب اس میں مصنف عظیم لوگوں کے حوالے پیش کرے تو پڑھنے والے اس میں یک گونہ ادبی چاشنی اور لطافت محسوس کرتے ہیں مصنف جس وقت روحانی طور پر اپنے آپ کو اس ذات لاشریک کے سپرد کر دیتا ہے جہاں سچ کی ساری طاقتیں لامحدود ہو جاتی ہیں تو خیالات اس طرح صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتے ہیں، صفحہ 30 پر وہ یوں رقمطراز ہیں،

" رات اب صبح کے دامن کو چھونے والی تھی کہ میں نے تلاوت شروع کر دی۔ وہ الفاظ یاد آئے جو اقبال کے والد نے ان سے کہے تھے کہ " تلاوت کلام پاک یوں کرو جیسے یہ کتاب تم پر

نازل ہو رہی ہو" اور اس کا ضمنہ یہ بتایا تھا کہ اپنے آپ
کو محمد عربی (صلعم) کے رنگ میں جتنا رنگو گے اتنا ہی قرآن
تمہارے طن پر نازل ہو گا۔ اس رات صحن کعبے میں تلاوت کرتے
ہوئے میرا وجود اس حقیقت کی صداقت پر گواہی دے رہا تھا۔"(ص 30)

حج نامہ " وطن سے وطن تک " پڑھتے ہوئے قدم قدم پر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ مصنف نے بڑی دلجمعی کے ساتھ اور کھلی آنکھوں سے حجاز مقدس کا مشاہدہ کیا ہے۔ سارے مناظر اس طرح آنکھوں کے سامنے تصویر پذیر ہیں جیسے کوئی فلم دیکھتے ہوئے ان میں کھو جاتا ہے اور کافی دیر تک وہ چیزیں ذہن کی سکرین پرموجود رہتی ہیں۔ گویا یہ کھلی آنکھوں کا خواب ہے جسے کسی وقت بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔

یہاں بھی کشفی صاحب نے مکہ مکرمہ میں ایک ایسا خواب دیکھا ہے جسے وہ حقیقی دنیا کا جیتا جاگتا شاہکار محسوس کرتے ہیں ، وہ لکھتے ہیں کہ

" میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ کھڑا ہوں اور
سامنے ایک خوبصورت حجاب (پارٹیشن) ہے اس کے پیچھے سرور
کائنات اور صدیق اکبر محو گفتگو ہیں اور یہ گفتگو میں سن
رہا ہوں۔ اگر یہ حجاب خوبصورت نہ ہوتا تو میں اسے اپنے
اعمال قبیحہ کی علامت سمجھتا اور اس خواب کے بعد ، مکّہ کے
نواح میں ، اس میدان کی وسعتوں میں ، میں نے عالم بیداری
میں وہ آواز سنی۔" (ص 37)

بظاہر یہ سفرنامۂ حج بہت چھوٹا ہے اور اتنے وسیع و عمیق مشاہدات اور خاصے بسیط روحانی سفر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے نظر نہیں آتا مگر جب اس کا مطالعہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زندگی کا کوئی بھی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔

حج کا سفرنامہ اور واقعات ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ قارئین و ناظرین اپنے اپنے گھروں سے رخت سفر باندھتے ہیں، اس کے بعد حرمین شریفین پہنچ کر سبھی ایک ہی طرح مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ احرام باندھنا، طواف کرنا، بال کٹوانا، قربانی دینا وغیرہ وغیرہ گویا شروع سے لے کر ہمیشہ کے لئے یہ ایک عالمگیر سفرِ حیات ہے مگر یہ سفرنامہ نگار کا ذاتی اور منفرد ذوق و شوق ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اسے محسوس کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فاضل مصنف کا یہ ذوق و شوق، مَن و تُو کی بہت ساری منزلیں ~~کر~~ جھونس چکا ہے۔ ایک بار انہیں روضۂ رسول کی جالی کو چومنے کا موقع ملا۔ اس وقت عالم بے خودی میں ان کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے، وہ رقص عاشقانہ اور طواف مستانہ کے سُر اور لَے میں ادا ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " حضور! " عاشقانہ اور " مستانہ " کے ٹکڑوں کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔

> " میں بے نوا ہوں۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ آپ نے ابوبکر کو دیکھا تو وہ صدیق ہو گئے۔ عمر پر نظر پڑی تو وہ فاروقیت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ عثمان آپ کی بزم میں آئے تو ہوا یہ کہ ہر دو جہاں سے بے نیاز اس کا دل غنی، علی آپ کے سینے سے لگے تو باب العلم ہو گئے۔ سرکار! عاشقانہ اور مستانہ کے لفظوں پر اپنی خاک پا مل دیجئے تو یہ لفظ ستارے بن جائیں گے۔" (ص 46)

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی بے حد ذہین و فطین شخص ہیں اس کتاب کے علاوہ ان کی دوسری ادبی اور اسلامی تحریریں بھی جابجا ادب کی چکاچوند روشنی [illegible] قارئین کو ایک نئی اور انوکھی دنیا میں لے جاتی ہے۔ خوبصورت الفاظ اور دلکش انداز تحریر پڑھنے والا ایک دفعہ عالم بے خودی میں گم ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ان کی تحریر میں شگفتگی کا عنصر بھی سامنے آتا ہے اور قارئین زیر لب

مسکرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صفحہ 21 پر ملاحظہ فرمائیں

" دو صندوقوں میں سے ایک غائب ۔ کسٹم والے انگریزی سے نابلد ۔
۔۔ اور میں؟ حجازی لے، کے باوجود غمہ ہندی کا اسیر ۔۔
باب ارض حرم جدّہ کے ائر پورٹ پر بچپن اور لڑکپن میں پڑھی
ہوئی عربی ذہن میں مرتب ہو کر ہونٹوں تک آنے کے لئے آمادہ
ہو گئی ۔۔ میں نے لفظوں کے ٹکڑے جوڑے اور کسٹم والے سے کہا
" الصندوق الثانی لا موجود ۔ لونہا اسود " (دوسرا صندوق
غائب ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے) "

اسی طرح ایک دن ٹیکسی والا چلنے پر آمادہ نہ تھا۔ انتظار سے تنگ آ کر سورۂ یوسف کی آیت کا سہارا لیتے ہوئے میں نے کہا " مش یا صاحب السیّارہ " اور پھر ٹیکسی چل پڑی۔

ڈاکٹر صاحب قدم قدم پر ارض مقدس سے دل لگی کا اظہار فرماتے ہیں، ہر وقت ان کی سوچ مسلمانوں کی شاندار الثانیہ پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ جن مقدس جگہوں کی شناخت ختم کر دی گئی ہو تو ان کا دل خون کے آنسو رونے لگ جاتا ہے۔ مثلاً جنت البقیع کے سونے والوں کے ناموں کی تختیاں نہیں ہیں یا " خانۂ ارقم" جہاں حضرت فاروق اعظمؓ ایمان لائے تھے وہاں اب گدھے بندھے ہوئے ہیں تو ان کا دل کڑھتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

" جنت البقیع سے لے کر ان مسجدوں تک بار بار یہی خیال ذہن
ستاتا رہا کہ ہم اپنے ملی آثار اور تاریخ کے کیسے مجرم ہیں؟
جن قوموں کے پاس تاریخ نہیں ہوتی وہ تاریخ ایجاد کرتی ہیں
اور یوں زمان و مکان میں جڑ پکڑتی ہیں۔ مدینہ منوّرہ کے آثار
اور مساجد بھی اپنی عظیم میراث سے ہماری دوری کی نوحہ
خواں ہیں۔" (ص 56)

بہرحال! حج کا یہ سفرنامہ بہت ادبی انداز سے لکھا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد قاری اپنے آپ کو حجاز مقدس کے درج بالا واقعات میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔

کراچی سے گنبد خضریٰ تک ـــ ڈاکٹر ایچ۔ بی خان

" کراچی سے گنبد خضریٰ تک " ڈاکٹر حافظ بابر خان کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے الحمد اکادمی کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ 310 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر ایچ بی خان کی تین تصنیفات منظر عام پر آئی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں علماء کی سیاسی جدوجہد سے متعلق ان کی پہلی کتاب " پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار " اور دوسری کتاب " تحریک پاکستان اور علماء " اعلیٰ پائے کی تخلیقات ہیں جب کہ عالم اسلام کی اسلامی تحریکات پر مبنی ایک کتاب " شاہ راہ مکّہ " بہت عمیق اور مطالعے کی حامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب، صاحب بصیرت معلم، نامور محقق، بلند پایہ خطیب اور بے لوث سماجی کارکن ہیں۔

زیر نظر کتاب، ڈاکٹر موصوف کا حج کا سفرنامہ ہے۔ یہ حج انہوں نے 1979ء میں کیا تھا یہ بہت ضخیم کتاب ہے اور چھ ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب کے کئی ذیلی باب ہیں۔

انہوں نے اپنی تحقیق کا معیار قرآن مجید اور حوالے کی دوسری کتب کو بنایا ہے۔ ان حوالہ جات کی خاصی وسیع فہرست کتاب کے آخر میں پیش کی گئی ہے۔ حوالے کی کتب نہ صرف اردو میں بلکہ انگریزی اور عربی و فارسی کے نایاب نسخے بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ یوں یہ سفرنامہ حج ، کتاب کے ساتھ ساتھ حج کی ڈائریکٹری کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ قدم قدم پر قرآنی آیات بطور حوالہ پیش کی گئی ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ حجاز مقدس کی مکمل معلومات کے لئے ایک بہت نادر کتاب کی صورت میں ترتیب دی گئی ہے۔

اس کا پہلا باب غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ویسے تو تمام حجاج پاکستان سے روانگی کا منظر پیش کرتے ہیں مگر انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے پاسپورٹ ، ویزا اور پھر کراچی

سے رواشی کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ایسے واقعات خاص طور پر مرقوم کئے ہیں جنہیں عام قارئین و ناظرین معمولی سمجھتے ہوئے ذکر سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ان کی جدّت طبع اور میلان طبع کی کارفرمائی ہے کہ روانہ ہوتے وقت وہ وجد و سرور میں جھوم رہے ہیں اور ان پر حال و قال کی کیفیت وارد ہو رہی ہے۔ باب دوم کعبہ شریف سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے خانہ کعبہ کے نئے دروازے کی تعمیر کا حال درج فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

" خانہ کعبہ کا نیا دروازہ اکتوبر 1979ء میں 280 کلوگرام
خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی نقاب کشائی شاہ
خالد (مرحوم) حکمران حکومت سعودیہ نے 14 اکتوبر 1979ء
کو کی تھی۔ چوکھٹ سمیت دروازہ کی اونچائی تین میٹر اور
چوڑائی 2 میٹر ہے۔ شاہ خالد کے بعد حرم کعبہ کی کافی
توسیع ہوئی ہے۔ " (ص 48، 49)

باب سوم قیام مکّہ مکرمہ سے متعلق ہے۔ اس میں بھی حسب سابق انہوں نے معلومات کے دریا بہا دئیے ہیں۔ نئی نئی اصطلاحات، جو عام قارئین نہیں جانتے، روشناس کرائی ہیں۔ مثلاً طواف سے متعلق اصطلاحات جیسے استلام (چھونا) ، اضطباع (کپڑا) ، رمل، عمل طواف وغیرہ مصنف مذکور نے خانہ کعبہ کی مختصر تاریخ بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہ اسے مکمل نہ کر سکے ہیں۔

اصحاب فیل کا تذکرہ تفصیلی انداز سے پیش کیا ہے۔ اسی سال یعنی 1979ء میں کچھ لوگوں نے خانہ کعبہ پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اصحاب فیل سے لے کر 1979ء کے واقعات تک، خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے مفصل واقعات قلم بند کئے ہیں۔ (بحوالہ صفحات 72 تا 85) اس تفصیل کے بعد وہ سعودی حکمرانوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکومت کو ایسے اقدام کرنے چاہئیں جس سے یہ طوفان دوبارہ نہ اٹھے اور حکمرانوں کو ایک

اچھے ماہر نفسیات کی حیثیت سے تدارک کر کے مدبّر حکمران ہونے کا ثبوت دینا چاہئیے۔

فاضل مصنف کا بہت غائر مطالعہ ہے۔ انہوں نے اس موقع پر خانہ کعبہ کی تعمیر کا جائزہ لیا ہے۔ اس دور سے پہلے خاصی توسیع ہو چکی تھی اور اس کے بعد بھی حرم کعبہ کی بہت توسیع ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پہلو کو انہوں نے مکمل معلومات نہ رکھنے کی وجہ سے ادھورا چھوڑا ہے اور قاری کو خاصی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

انہوں نے مکّہ مکّرمہ کے قابل دید آثار کا ذکر ابی الولید محمد بن عبدالرحمان بن احمد الازرقی کے حوالہ سے کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مکّہ مکّرمہ کے مشہور پہاڑوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک پہاڑی کا،جس پر شق قمر کا معجزہ رونما ہوا تھا، تفصیلی ذکر موجود ہے۔ (ص 99) اسی طرح انہوں نے مختلف مساجد اور مقامات مقدسہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں سے چند ایسی مساجد ہیں جن کا پہلے اکثر حجاج نے نام تک بھی نہ سنا ہو گا مثلاً مسجد تنعیم، جعرانہ، خیف، الکبش، مسجد محصّب اور مسجد نمرہ وغیرہ۔

ہمارے خیال میں ان کی زیادہ معلومات کتابی ہیں۔ انہوں نے ان آثار کی تازہ ترین صورت حال کے متعلق بے حد کم تحریر کیا ہے۔ اگلے باب میں انہوں نے حج کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے۔ حج کی مکمل شرائط اور لوازمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد ازاں حج کے موقع پر خود پر بیتنے والی تمام مشکلات اور آسانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ فاضل مصنف اکثر مقامات پر معلومات کے ساتھ ساتھ لوگوں کو مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہتے ہیں تاکہ مستقبل میں عازمین حج ان مشکلات سے بچ جائیں۔ پھر انہوں نے مدینۃ منورہ کی طرف روانگی کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم باتوں کو بھی ڈاکٹر صاحب نے موضوع تحریر بنانے کی کوشش کی ہے جیسا کہ صفحات 68-66 پر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے تحت اور مختلف فاصلوں کی انہوں نے بحث کی ہے۔ آگے چل کر مدینۃ طیبۃ کے مختلف گلی کوچوں اور محلوں

کے احوال اور تاریخی پس منظر پیش کیا ہے۔ اسی ضمن میں ہجرت کے تاریخی پس منظر پر بھی خامہ فرسائی کی کوشش فرمائی ہے۔ اگلے صفحات پر مسجد نبوی اور دیگر تاریخی آثار سے متعلق تفصیلی احوال پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کی ایک اچھی مثال روضۂ رسول پر گنبد کی تعمیر کا حال تحریر کیا گیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ

> " سب سے پہلی مرتبہ 678 ہجری میں الملک المنصور قلاون صالحی کے عہد میں حجرہ شریف قبہ بنایا۔ اس سے پہلے قبّہ نہ تھا، اس طرح مختلف ادوار میں مختلف سلاطین نے اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا۔ 980 ہجری میں سلطان سلیم ثانی نے حجرہ مقدس کا گنبد بنوایا اور اسے رنگین پتھروں سے سجایا۔" (ص 182)

ہم دیکھتے ہیں کہ جزئیات نگاری ہی اس کتاب کی خوبی ہے۔ عام اور معمولی مواقع کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔ مصنف نے مختلف کتب اور ذاتی دورے سے مدینہ منوّرہ کے محفوظ آثار کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہاں مدینہ شریف کے کئی معروف کنوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے بعض محفوظ رہ گئے ہیں۔ آگے چل کر مدینہ کے معروف قبرستان جنت البقیع کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عرب شریف کی کھجوروں کی مختلف اقسام درج کی ہیں۔

حج کے سلسلے میں آخری ابواب مدینہ منورہ سے واپسی کی تفصیل سے متعلق ہیں۔ ان میں وہاں کی مشکلات کا تذکرہ ہے خصوصاً اس وقت جب کچھ تخریب کاروں نے خانہ کعبہ پر قبضہ کی کوشش کی اور موجود عازمین حج کو زد و کوب اور پریشان کیا۔ مال و اسباب لوٹ لیا اور بعض کو یرغمال بنا لیا۔ اس دور کی مکمل تاریخ فاضل مصنف نے درج کر دی ہے۔ یہ کتاب حج، سفرنامہ کے ساتھ ساتھ معلومات نامہ ہے۔ انہوں نے اس بات کا اظہار " مقدمہ" میں بھی کیا ہے کہ یہ انہوں نے صرف حجاج اور زوار کرام کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور ذاتی خیالات سے حج بیت اللّٰہ کی غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔

وہ یہاں اس بات کا دعویٰ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے انہوں نے حج سے متعلق جتنی بھی کتب کا مطالعہ کیا۔ ان میں مصنفین نے مختلف زاویۂ نگاہ اور ذکر و فکر سے اپنے جذبۂ شوق، خیالات و عقائد اور عبادات کو بیان کیا ہے اور حج سے متعلق ضروری مسائل اور واقعات کو صحیح معنوں میں بیان نہیں کیا تھا لہٰذا انہوں نے یہاں ص 14 پر اس بات کا اعادہ کیا کہ ضروری عوامل اور مسائل، سب اس کتاب کی زینت بنا دیئے ہیں۔ مقدمہ کے آخر میں انہوں نے حج کی فرضیت سے متعلق اسلامی احکامات کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔ فاضل مصنف کی یہ تخلیق اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں جدید معلومات کے دریا بہا دیئے گئے ہیں۔

ان کے ادب سے وابستگی کی کئی مثالیں ملتی ہیں یعنی خوبصورت الفاظ نے اس کتاب کو ابلاغ کے لحاظ سے خاصا کامیاب بنایا ہے۔ جہاں عام قاری معلومات اور جزئیات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہے، وہاں ادب کی چاشنی، اس کی دلچسپیوں میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ بلاشبہ یہ مصنف کی قابل قدر کاوش ہے کہ اس نے تاریخ کے حوالوں کو ادب میں ڈبو کر بہت کار آمد تخلیق پیش کی ہے۔

ارض تمنا ــــ غلام الثقلین نقوی

==========================

" ارض تمنا " غلام الثقلین نقوی کا حج اور عمرہ کا سفرنامہ ہے۔ اسے فیروز سنز لمیٹڈ نے شائع کیا ہے۔ اس کے 120 صفحات ہیں اور جلد بالکل سیاہ رنگ کی ہے۔ جس پر خانہ خدا اور مسجد نبوی کی سفید تصویریں آویزاں ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کی ادبی حلقوں میں پہچان بطور افسانہ نگار ہوتی ہے جو بات انہیں دیگر معاصرین و متقدمین سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ خالص پنجابی " ارضیت " ہے جس میں انہوں نے دیہات کی فضا کو اپنی پوری رنگ آمیزی سے مرقوم کیا ہے۔ زیر نظر کتاب " ارض تمنا " افسانوی فضا، و رنگ سے ہٹ کر ایک مقدس سفر کی داستان ہے۔

مصنف 1985ء میں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ادائیگی عمرہ و حج اور اپنے بیٹے عمیر عباس سے ملنے سعودی عرب گئے۔ وہاں مقدس مقامات کی زیارتیں اور اس دوران پیش آنے والے واقعات کو مسافر حرم نے بڑے جذب انگیز الفاظ میں بیان کیا کہ اس کو پڑھنے کے بعد قاری اپنے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے مسافر حرم کے ساتھ انہیں مقامات کی سیر کرتے ہوئے پاتا ہے۔ وہ اپنے زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہو کر اسی فضا اور ماحول میں جذب ہو جاتا ہے۔ فاضل مصنف کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر منظر کو اس کے لمحۂ موجود کے ساتھ ساتھ اس کے پس منظر میں دیکھتا ہے اور اس کی جھلکیاں استعاراتی انداز میں الہیہ نظم کی طرح آنکھوں میں اترتی جاتی ہیں اور ذہن انہیں ہم آہنگی کے لئے قبول کرتا ہے۔ زمانہ حال کی قید سے یہ تصورات جلد اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا اعادہ ڈاکٹر انور سدید نے اس کتاب کی تقریظ " ارض تمنا کا سفر " میں بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

" اس سفرنامے میں غلام الثقلین نقوی نے زمانہ حال کے زوال
سے ماضی کے ارتقاء کی طرف متعدد مرتبہ سفر خیال کیا ہے
اور متعدد مرتبہ قید جسم سے آزاد ہوئے ہیں۔ " (ص 10)

جہاں تک اس کتاب کے متن، موضوعات اور ذیلی تقسیم کار کا تعلق ہے، اس کو مصنف نے بارہ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ پہلا باب ڈاکٹر انور سدید کی رقم کردہ تخلیقی اور منفرد انداز کی تقریظ ہے جو انہوں نے عام مروّج ڈگر سے ہٹ کر اس فن پارہ کے شاہان شان انداز میں لکھی ہے۔

پہلے باب " کچے دھاگے سے " کے عنوان کے تحت مصنف نے اپنے سفر کی غرض و غایت اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی مشکلات اور اپنے پہلے ہوائی سفر کے تجربات کو بیان کیا ہے۔

دوسرے باب " کعبہ و بت کدہ " میں انہوں نے ارض مقدس جانے کے لئے اپنے داماد غلام السیدین کے گھر اسلام آباد قیام کیا۔ وہاں دوست احباب سے خوب ملاقاتیں رہیں اور ان سے سفر حج کے بارے میں بہت سی معلومات اور تجربات حاصل کئے۔

تیسرے باب " سوئے حرم " میں پاکستان سے روانگی ، ہوائی سفر کے تجربات، بچوں کی ضد، زمین و آسمان کے درمیان معلق ہونے کا احساس، سامان کی چیکنگ، اپنے بیٹے نصیر عباس کا استقبال کو آنا، اس کے ہمراہ ان کے فلیٹ پر جانے کی زحمت، بہت سے جذباتی اور معلوماتی تجربات ہیں، جو اس باب میں قلم بند ہوئے ہیں۔

چوتھے باب " پردہ رخسار صنم " میں وہ ان پاکیزہ حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے جن کو جاننے اور دیکھنے کی سعادت ہر مسلمان کو رہی ہے۔ مصنف مغرب کے وقت حرم مبارک کی زیارت اور ارکان عمرہ کی ادائیگی کے لئے جاتا ہے۔ حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو لمحہ موجود کے حرم پاک میں نہیں بلکہ چودہ سو سال قبل کے حرم میں محسوس کرتا ہے جس میں آنحضرتؐ کفار مکّہ کو صفا ، فاران کی پہاڑیوں

پر تبلیغ کرتے، ابوجہل کی مذمت کا سامنا کرتے، حضرت امیر حمزہ کا ابوجہل سے بدلہ، حضرت عمرؓ کا بے نیام تلوار کے ساتھ قبول اسلام، حجر اسود کی تنصیب، فتح مکّہ اور حرم پاک سے بتوں کی رخصتی، شاہ و گدا کا ایک ہی مقام پر مرتکز ہونا۔ اسلامی مساوات کے اعلیٰ ہونے، یہ سب اسلامی تاریخی جھلکیاں ہیں جن پر استعاراتی انداز میں مصنف ایک گائیڈ کی طرح تبصرہ کرتے ہوئے دکھا رہا ہے۔

پانچویں باب " شفقۂ زم زم" میں ارکان عمرۂ " سعی " کا عمل ہے مگر وہ اپنی بیوی کے استفسار کو تاریخی حوالوں سے بیان کرنا شروع کرتا ہے۔ کہ مبارک ہے یہ پتھر جس پر پاک بی بی حضرت حاجرہ پانی کی تلاش اور بچے کی نگہداشت کے عالم میں چکر کاٹتی رہیں اور یہ چکر ربّ جلیل کو ایسے پسند آئے کہ انہوں نے نبی آخرالزماںؐ اور تمام مسلمانوں پر اسے فرض قرار دے دیا۔

حضرت اسماعیلؑ (معصوم بچے) کے تلوؤں سے پانی برآمد ہونے کا معجزہ " زم زم" کی صورت میں اب بھی موجود ہے اور لاکھوں لوگ اس مقدس پانی سے اپنی ایمانی اور جذباتی پیاس بجھاتے ہیں۔ اس باب میں کنوئیں کے بند ہونے اور دوبارہ بازیاب ہونے کی سعادت حضور اکرم (صلعم) کے دادا عبدالمطلب کو حاصل ہونے، سنہری غزال کا خزانہ، ابولہب پر چوری کا الزام، حلیمہ، مقام ابراھیم وغیرہ پر مناسک کی ادائیگی اور آخر میں حرم مبارک میں حضرت علیؓ کی ولادت کے واقعہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے ---- اگلے باب " سائے اور خوشبو" میں مصنف نے مکّہ مکّرمہ کے شہر کی سیر اور اس حوالہ سے حرم مبارک اور جنت معلیٰ، حضرت ام المومنین خدیجتہ الکبریٰ اور حضرت ابو طالب کے مقبرے کی سیر کے بارے میں بتایا ہے۔

چھٹے باب " شارع ھجرۃ پر" میں انہوں نے حضور اکرم (صلعم) کے ھجرت کرنے سراقہ بن جشم کے تعاقب کرنے اور زمین دھنس کے واقعہ کو علامتی اور استعاراتی انداز میں بیان کیا ہے۔ ---- اگلے باب " لمحوں کا سفر" میں وہ اپنے بیٹے اور دیگر میزبانوں کے ہمراہ مدینتہ

الرسول کی جانب گامزن ہیں۔ اس سفر کو بھی مصنف تاریخی تناظر میں رکھتے ہوئے طے کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لائے۔ ہزاروں آنکھیں محو انتظار ہیں کہ سب سے پہلے ہماری نظر آنحضرتؐ کے روئے اقدس پر پڑے۔ راستے میں مسجد قبا ہے، قبیلہ نجار اور سلمان فارسیؓ کی خوش بختی کا تذکرہ ہے۔

" سبز گنبد کے سائے میں " کے عنوان سے نقوی صاحب نے اس مقام مقدس کے بارے میں بتایا ہے جسے دیکھنے کے لئے بڑی حسرت رہتی ہے یعنی گنبد خضریٰ روضۂ رسولؐ اس باب میں مصنف نے بڑے جذباتی منظر تراشے ہیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد قاری کا اشتیاق زیادہ بڑھتا ہے اور وہ مصنف کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔ صرف دلچسپی نہیں بلکہ اس میں عقیدت بھی شامل ہوتی ہے۔

" لالۂ گل " کے عنوان سے مشہور قبرستان جنت البقیع کے بارے میں جہاں دختر رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ ، نبی اکرمؐ کی ازواج مطہرات، تیسرے خلیفہ، پیکر شرم و حیا حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرام ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مصنف کی تعلیق کا یہ حصہ بہت جذباتی اور رقت آمیز ہے۔ چوں کہ ان کا تعلق شیعہ مسلک سے ہے، وہ اس مقام کو ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور حضرت فاطمہ الزہرا کے جگر گوشوں پر کئے جانے والے مظالم، واقعات کربلا کے تناظر میں محسوس کرتا ہے۔

" ماضی کی تلاش" بھی گزشتہ باب سے متعلق ہے جس میں مصنف کی جذباتی وابستگی شامل ہے۔ وہ واقعہ کربلا کے حوالے سے بہت سارے منظر تراشتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ ، حضرت علی اکبرؓ پر ڈھائے جانے والے مظالم، حضرت حسن کا صبر، علاوہ ازیں غزوۂ احد ، غزوۂ خندق کے واقعات ، عمرو بن عبدو کی مبارزت طلبی حضرت علی کا ایک ہی وار میں اس کا قلع قمع کر دینا ، آنحضرت کا یہ فرمان کہ تیرا یہ ایک وار عمر بھر کی عبادت سے افضل ہے، غزوۂ احد جانثاران نبی کا ثابت قدم رہنا ، دندان مبارک کا شہید ہونا ، حضرت اویس قرنی کا فرط

اشتیاق میں اپنے دندان توڑ دیئے ، جیّد صحابہ کرام کے بے مثال کارہائے نمایاں، سب اسی ضمنی باب میں شامل ھیں۔

آخری حصہ " وداعی سفر اور نزول رحمت" میں مصنف نے سیر نہ ھونے والی آنکھوں کا ان مقدس مقامات سے اوجھل ھونا ، ائر پورٹ پر بارش رحمت کا برسنا اور واپسی کے تمام تجربات کو بیان کیا ھے۔ جہاں تک اس سفرنامے کے مجموعی تاثر اور محاسن و معائب کا تعلق ھے، یہ عقیدت اور مذھبی تقدس و احترام کی وجہ سے قابل گرفت نہیں ھے۔ پوری کتاب میں اس کے خالق کے تاریخی مطالعے اور بصیرت کی چھاپ نمایاں ھے۔ اس سفر میں انہوں نے اپنے بیٹے اور دیگر اعزہ کو بھی بعض مقامات پر نمایاں کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی ھے اور ایسا محسوس ھوتا ھے کہ ان کے بیٹے نصیر عباس نے اپنے والد کی انگلی پکڑ رکھی ھے، وہ انہیں مقامات دکھاتے جا رھے ھیں اور باپ ان پر تاریخی تبصرہ کرتا جا رھا ھے اور جابجا اشعار بھی پڑھتا جا رھا ھے۔ بعض مقامات پرمصنف نے اپنے مسلک کی بات بھی کی ھے لیکن اس میں شدت یا غلو نہیں۔

غلام الثقلین نقوی کی خصوصیت یہ ھے کہ اس نے بہت سے حقائق کو تسلیم کیا ھے جس کو اسی مسلک کے حامل لوگ سرے سے ماننے کو تیار نہیں ھیں جن میں آنحضرت کی زوجہ مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ خلفائے راشدین میں پہلے تین خلفاء شامل ھیں اور ان کی عظمت کو مسلّمہ قرار دیا ھے۔

مصنف کا انداز استعاراتی اور تشبیہاتی ھے۔ وہ جگہ جگہ پر استعاروں اور تشبیہات کی بھرمار کرتا ھے اور جب یہ امور قاری کے لئے قابل تفہیم صورت اختیار کرنے لگتے ھیں یعنی ابلاغ کے مراحل کو پہنچتے ھیں تو مصنف یہ منظر ترک کر دیتا ھے۔ تاکہ قاری اس کی تشنگی اور جستجو کی لذت محسوس کر سکے۔

الغرض " ارض تمنا " وڈیو فلم ہے جس میں ضروری حقائق کی عکس بندی کی گئی ہے اور وہ سب کچھ موجود ہے جس کا تذکرہ ڈاکٹر انور سدید نے اس کتاب کے ص 12 پر کیا ہے کہ

" غلام الثقلین نقوی کا سفرنامہ " ارض تمنا " اثبات کامل سے
شروع ہوتا ہے اور استحکام ثبات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں
تحیّر بھی ہے انکسار بھی ، اعجاز نظر خیال بھی ہے اور حسن
عجز و عقیدت بھی ۔ " (بحوالہ ص 12)

سوئے حرمین ۔۔ محمد سعید اختر

" سوئے حرمین " جسے محمد سعید اختر نے تحریر کیا ہے، طاہر پبلی کیشنز، مریدکے نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حج 179 صفحات پر مشتمل ہے۔ سفرناموں کی یلغار میں سوئے حرمین، محمد سعید اختر کا ایک غیر معمولی اضافہ ہے۔ اوّل یہ کہ اس موضوع پر مصنف نے پہلی بار قلم اٹھایا ہے، دوم یہ کہ یہ سفر عقیدت و احترام کا سفر ہے اور قاری اپنے آپ کو سوئے حرمین شریفین رواں دواں محسوس کرتا ہے اور اس کے لبوں پر ازخود تلبیہ کے الفاظ " لبیک اللّٰھم لبیک ۔ ۔ ۔ " آ جاتے ہیں اور پھر مصنف کے ساتھ ساتھ قاری بھی زندگی کی تمام تر رعنائیوں، عقیدتوں اور کیفیتوں کے ساتھ سوئے حرمین شریفین بڑھتا ہوا چلا جاتا ہے۔

یوں تو انسان روز اوّل سے پابہ رکاب ہے اور اس کی یہی جدوجہد، تگ و تاز زندگی اور رویہ عمل رہنا ہی زندگی کی علامت ہے۔ فاضل مصنف نے اس تخلیق میں لفظوں کی ساحری کی ہے اور ایک ایسی کیفیت اور فضا پیدا کی ہے کہ پڑھنے والے پر از خود رفتگی سی طاری ہونے لگتی ہے۔

اس حج کے سفرنامے کے خالق نے اسے مندرجہ ذیل عنوانات کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے ہے۔

1۔ پیشوائی (دیباچہ) جناب حفیظ تائب

2۔ محترم شائقین و عازمین حج (مصنف)

3۔ ارشادات باری تعالیٰ 4۔ سفرنامۂ حج 5۔ لغات الحج

6۔ نعّات 7۔ ادعیہ 8۔ السلام علیک

9- سعودی عرب کے کچھ شہروں کے درمیان فاصلے

10- ایام و مناسک حج -11- کتابیات

ابتدائی تین عنوانات جو کہ اس سفرنامہ کے تمہیدی ابواب بھی ہیں، دراصل مناسک حج سے متعلق ابتدائی کلمات و معلومات ہیں، البتہ تیسرے عنوان " ارشادات باری تعالی " میں مصنف نے قرآن سے حج اور مناسک حج سے متعلق بڑے مدلل انداز میں معلومات فراہم کی ہیں۔ جابجا آیات قرآنی کے حوالے دئے گئے ہیں اور حج کی فلاسفی کو بڑے دل نشین انداز میں قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ اس پورے باب میں ارشاد خداوندی کے مطابق آیات حج کو یکجا کیا گیا ہے اور بھرپور انداز سے احکامات خدا کی ترجمانی کی گئی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کی طرف پوری توجہ نہیں دی گئی اگر مصنف اس طرف بھی توجہ دیتے تو یہ سفرنامہ نہ صرف داستان سفر حجاز ہوتی بلکہ ایک عالمانہ اور محققانہ انداز کی تخلیق بھی ہوتی۔ بلاشبہ اب بھی مصنف کی محنت اور عرق ریزی قابل قدر ہے۔

سفرنامے کی ابتداء چوتھے عنوان " سفرنامۂ حج " سے ہوتی ہے۔ اس تخلیق کا آغاز ہی اس شعر سے ہوتا ہے جو بذات خود طلب آرزو لئے ہوئے ہے،

ے میری سہمی ہوئی آوارہ و گم گشتہ رہا

آج پہنچی نظر آتی ہے اثر کی حد تک

اس باب میں مصنف نے ان تمام تر باطنی کیفیتوں کا ذکر بڑے بلیغ انداز سے کیا ہے جو اسے بار بار سوئے حرمین لے جانے کے لئے اکساتی رہی ہیں۔ اس ضمن میں صفحہ 45 پر وہ یوں رقم طراز ہیں

" کعبتہ اللہ کے طواف، شعائر اللہ کی زیارت اور بارگاہ رسالت میں

حاضری کی آرزو قلب و ذہن بلکہ تحت الشعور میں کب سے

جاگزیں تھی ۔ اس کا تعین مشکل ھے یہ اکثر مضطرب رکھتی اور
ایّام حج میں تو پوری جوبن پر آ کر میری کم نصیبی کا
شدّت سے احساس دلاتی ۔۔۔۔ " (ص 45)

محمد سعید اختر نے صفحہ 46 اور 47 پر اپنی دو دعائیں بھی رقم کی ھیں جو بذات خود سرور کونین سے اپنی وارفتگی کا اظہار ھیں۔ اس کے علاوہ، مصنف نے حج کے سفر کے حوالے سے لحظہ بہ لحظہ ان تمام کیفیات و واقعات کو بڑی جزئیات کے ساتھ تحریر کیا ھے جو انہیں وقتاً فوقتاً پیش آئیں۔ جابجا ان کی باطنی کیفیات کے حوالے بھی نظر آتے ھیں جو اس سفر کے حوالے سے ان کی ذات کے ساتھ منسوب ھیں۔ حج پالیسی کے اعلان سے لے کر یوم آغاز تک تمام باتیں مصنف نے ترتیب وار بیان کی ھیں، سفرنامہ پڑھتے ھوئے اکثر یہ خیال آتا ھے کہ جیسے ھم مصنف کی ذاتی ڈائری پڑھ رھے ھیں۔ جس میں چھوٹے چھوٹے واقعات اور جزئیات سے لے کر بڑے بڑے سانحات تک کا ذکر موجود ھے۔ اس کے علاوہ ان تمام اشیاء کا ذکر ھے جو دوران سفر مصنف کے ھمراہ تھیں۔ دراصل یہ سفر حج و زیارات کے لئے ایک معلوماتی کتاب یا گائیڈ بک بھی ھے جو ھر عازم حج کے لئے ممدو معاون ثابت ھو سکتی ھے۔

مصنف ایک انجنئیر ھیں لیکن انہیں ادب سے واقفیت بھی بدرجۂ اتم ھے۔ جب سائنس اور ادب آپس میں ملتے ھیں تو دل و روح میں ارتعاش پیدا ھوتا ھے اور ادیب خوبصورت نعتیں تخلیق کرتا ھے اور انہی نعتوں سے اس کے ذھن کو جلا ملتی ھے اور ذھن کی آبیاری ھوتی ھے۔ ھم اس کتاب کے صفحہ 52 پر اس کی نعت ملاحظہ کریں تو پتہ چلتا ھے کہ اس نے اپنی باطنی کیفیات اور جذب و مستی کا اظہار بڑے خوبصورت اور دلکش پیرائے میں کیا ھے۔ انہوں نے زیر نظر باب میں حج کے حوالے سے تمام تر معلومات یکجا کر دی ھیں۔ تاریخ وار ان عبادات، اذکار اور عادات کا ذکر کیا ھے جو دوران ایّام حج انہیں پیش آتے رھے۔

" نیّات " کے عنوان سے عمرہ، طواف، سعی اور حج کی نیتیں باترجمہ تحریر کر دی

گئی ھیں --- " ادعیہ " کے عنوان سے عمرہ و حج کی ادائیگی کے دوران پڑھنے کے لئے مخصوص دعائیں جو صفحہ 142 تا 164 پر با ترجمہ لکھی گئی ھیں۔ صفحہ 161 پر سعید اختر کے دلی جذبات کی ترجمانی دیکھیں

> " یہاں (حجاج) عرق انفعال، اشک ندامت، فزوں تر دھڑکنیں اور لرزش لب عموماً الفاظ کے سفر کو قلب سے گلے تک محدود کر دیتے ھیں اور اظہار ندامت، توبہ و استغفار اور وسعت طلب منّت کش الفاظ ھوئے بغیر ھی پروردگار عالمین کے حضور پیش ھونے لگتے ھیں۔ "

" السلام علیک " کے عنوان سے ان تمام باطنی کیفیات کے ساتھ درود و سلام پیش کرنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ھے جو ان کا باطنی تجربہ ھیں۔ یہ روضۂ رسول، زیارت حضرت ابوبکرؓ، زیارت حضرت عمرؓ اور پھر دونوں خلفاء راشدین پر مشترکہ سلام پیش کرنے کا انداز و طریقہ بتایا گیا ھے۔ ھم اس نتیجہ پر پہنچتے ھیں کہ ان کے ھاں خوبصورت لفاظی ھے اور اسی سے ان کی تخلیق کو چار چاند لگ گئے ھیں مثال کے طور پر بیت اللہ شریف میں پہلی حاضری کے بیان پر یہ جملے دیکھیں،

> " کعبۃ اللہ پر نگاھیں جمی رھیں۔ بھیگتی رھیں، دعائیں سننے والے اور قبول کرنے والے کا گھر سامنے پا کر دعاؤں کی آبجو تھی کہ ھونٹوں سے رواں تھی۔ آواز کے زیرو بم کا علم صرف سننے والے کو تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہ رھا. . . . " (ص 60)

فاضل مصنف کا مناسک حج کو دیکھنے اور محسوس کرنے کا اپنا مخصوص انداز ھے اور یہی انفرادیت انہیں دوسرے ادیبوں سے منفرد مقام عطا کرتی ھے۔ سعودی عرب کے کچھ شہروں کے درمیانی فاصلے کے عنوان سے ایک معلوماتی نقشہ بنا کر مختلف شہروں کے درمیانی فاصلے کا تعین کیا گیا ھے اسی

طرح اس کتاب کے صفحہ 178 پر ادائیگی مناسک حج کو ایک نقشے کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔

8 ذی الحجہ سے لے کر 13 ذی الحجہ تک کے تمام مناسک حج اور فرائض حج کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ ہر تاریخ کو ذیلی خانوں میں تقسیم کر کے سارے امور کو سمجھنے میں سہولت پیدا کر دی گئی ہے۔ آخری باب میں ان تمام کتب کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے مستفیض ہو کر محمد سعید اختر نے اس حج نامہ کا تانا بانا ترتیب دیا ہے۔ ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی ان کی عرق ریزی اور محنت و کوشش کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ فاضل مصنف نے تمام عنوانات بڑی حکمت، مدّلل، حوالہ جات کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ لفظی و معنوی گہرائی پر خاصی توجہ دی ہے اور عقیدت و احترام کا تاثر سفر کے اختتام تک قائم رہتا ہے۔

آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ محمد سعید اختر کا فن دوہری معنویت کا حامل ہے۔ ایک طرف وہ کامیاب شاعر و ادیب ہیں اور دوسری طرف وہ کیمیکل انجنیئرنگ کے شعبہ کے راہی ہیں۔ لہذا ان کا دو رویہ مشاہدہ ہی اس کامیاب کاوش کا مرہون منّت ہے۔

اس سفرنامے میں بے حد ادبی چاشنی ہے اور قدم قدم پر قاری کو احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ حج مبارک کھلی آنکھوں اور کھلے قلب و نظر کے ساتھ ادا کیا اور پھر اپنے مشاہدات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔

منزل — ممتاز ظافر

منزل ، ممتاز اختر ظافر کا حج کا سفرنامہ ہے۔ اسے فروغ ادب اکیڈمی ، گوجرانوالہ سے شائع کیا ہے یہ حج نامہ 272 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے شروع میں ہی مصنف نے اپنا نعتیہ شعر درج کیا ہے

ع منزل ملی مراد ملی مدعا ملا   سرکار مل گئے تو سمجھ لو خدا ملا

اس کا انتساب انہوں نے اپنی دادای فاطمہ بیگم مرحومہ کے نام کیا ہے اور لکھا ہے کہ " جنہوں نے مجھ جیسے طفل بے دست و پا کو اس وقت آغوش شفقت میں لیا جب میری پیدائش کے ساتھ ہی روز والدہ محترمہ حمیدہ بیگم مرحومہ آغوش لحد میں جا سوئیں۔۔۔ "

اس کتاب میں دیباچہ کی حد تک منفرد انداز پایا جاتا ہے۔ مصنف نے جس سے بھی کسب فیض حاصل کیا ہے، اسی سے دیباچہ لکھوایا ہے۔ انتساب کے علاوہ آٹھ عدد دیباچے تحریر کئے گئے ہیں جو 38 صفحات پر مشتمل ہیں۔ پہلا " تہدیہ " ہے جس میں انہوں نے اپنے پیرو مرشد ، قطب عالم حضرت حافظ عبدالکریم صاحب (راولپنڈی) سے عالم کم سنی میں بیعت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بیعت کا باقاعدہ شرف حضرت عبدالرحمان رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور یوں خانوادۂ نقشبندیہ کے غلام ہو گئے اور اب ان کے چشم و چراغ حضرت مولانا حبیب الرحمان مدظلہ کے مرید خاص ہیں۔

اس کے بعد " منزل سعادت " کے عنوان سے تقدیم ہے۔ اسے پروفیسر محمد اقبال جاوید صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ نے رقم کیا ہے اور انہوں نے ممتاز ظافر کے حج نامہ کے محاسن گنوائے ہیں۔

دیباچہ میں پروفیسر محمد اکرم رضا نے " شوقِ منزل " تحریر کی ہے۔ یہ 13 (تیرہ) صفحات پر مشتمل ہے اور انہوں نے ظافر کے اسلوبِ نگارش، شاعرانہ عظمت اور " منزل " پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ پروفیسر عارف عبدالمتین ، جناح اسلامیہ کالج آف کامرس لاہور نے تحریر کیا ہے۔ وہ صفحہ 25 پر لکھتے ہیں کہ

> " ممتاز اختر ظافر کا یہ سفرنامہ ادبی اور جمالیاتی اقدار کی پاسداری کی رو سے بھی ایک کامیاب ادبی تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں موزوں تشبیہات، مناسب استعارات موثر محاکات اور برمحل قرآنی اور تاریخی حوالہ جات کے استفادے نے جو کرشمے دکھائے ہیں، ان کی تفصیلات میں جانا کچھ ایسا آسان کام نہیں۔ "

اس کے بعد ظافر کی تصنیف کے محاسن پروفیسر غازی احمد سابق پرنسپل ، گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں ضلع چکوال نے گنوائے ہیں۔ دیباچے کا اگلا حصہ ، عطا المصطفیٰ جمیل کی تحریر پر مشتمل ہے۔ وہ اس حج نامے سے متعلق لکھتے ہیں کہ " منزل یہی ہے، جبریلؑ کی منزل یہی ہے، قدسیوں کی منزل یہی ہے، عاصیوں ، یا افتادوں اور غم زدوں کی منزل "

ھدیۂ تبریک اور توصیف کے اگلے اس باب کو تحریر کرنے کی جسارت ابوالبیان مولانا محمد سعید احمد مجدّدی ، خطیب جامع مسجد نقشبندیہ ماڈل ٹاؤن بی بلاک گوجرانوالہ کو ملی ہے۔ اور پھر ھدیہ تشکّر کے نام سے موصوف، ممتاز اختر ظافر نے ان دوست احباب کا شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے وقتاً فوقتاً اس تخلیق کے مکمل ہونے میں کسی طرح معاونت فرمائی۔

ممتاز اختر ظافر بہت اچھے شاعر ہیں۔ اس سفرنامے میں کئی جگہوں پر ان کے اشعار درج ہیں۔ وہ سکول ٹیچر ہیں اور ان کے بقول، سکول میں انہیں بہترین ادبی ماحول میسّر

آیا جس سے ان کے فن کو جلا ملی۔

یہ حج نامہ پینتیس (35) ابواب پر مشتمل ہے۔ چند ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں، باب الحجاز، حرم کعبہ کے روح پرور مناظر، مناسک حج ایک نظر میں، مزدلفہ کی رات، طواف الوداع، گنبد خضریٰ، حضرت ابو ایوب انصاری اور طیبہ میں آخری لمحات وغیرہ پہلا باب، نظم بسلسلہ عازم مکّہ المکرمہ سے متعلق ہے۔ ممتاز اختر ظافر نے اپنی نظم پیش کی ہے، اس کا پہلا شعر یوں ہے

خدا کی شان کے مکّہ میں ہم اسوار دیکھیں گے
مدینہ پاک کی گلیاں حسین بازار دیکھیں گے

ہم جانتے ہیں کہ حج کا سفر بذات خود ایک روحانی کیفیت اور دلّی وجدان کا پیغامبر ہے جسے ظافر کے اچھوتے طرز بیان نے جلا بخشی ہے۔ کرّہ ارض کے مسلمانوں کے لئے یہ سفرنامہ فریضے کے علاوہ شوق فراواں اور ذوق محبت و عقیدت کا سفر ہے" منزل " میں بھی حج کے عام سفرناموں کی طرح وہی موضوعات اپنائے گئے ہیں لیکن اس حج نامے کا سفر دو طرح سے مختلف ہے۔ اوّل تو زبان کے اعتبار سے اور دوسرے عقیدت کی شدّت کے لحاظ سے۔

جہاں تک زبان و بیان کا تعلق ہے، زبان کسی تحریر کو بے رنگ اور بے روح بھی کر سکتی ہے اور اسی موضوع کو شان دار وقیع اور جلیل بھی بنا دیتی ہے۔ زبان اظہار کا آلہ کار ہے۔ " منزل " میں عزم حضوری کی تپش، قلبی اضطراب، مہجوری کے جذبات، روانگی کی مسرت آمیز عجلت، دربار خداوندی کا جلال، بارگاہ مصطفوی کا جمال افروز نظارہ، وادی منٰی کے مناظر طواف کعبہ کا کیف، اُحد و خندق کی پہاڑیوں کا دیدار اور ایسے ہی دوسرے جمال افروز مناظر کے وقت مصنف نے جو اسلوب بیان اپنایا ہے، نہایت جذباتی ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا، اشک بار آنکھوں سے دیکھا اور اسے بیان کرتے وقت لرزتے ہوشوں سے بیان کیا۔ لہذا لرزتے ہوشوں سے بیان کیا۔ لہذا لرزتے ہوشوں سے بیان کرتے وقت اس کو کسی اسٹائل، اسلوب زبان یا آرائش بیان کا

کا ہوش کہاں ہے، جلوۂ دیدار سے وہ اس قدر سیراب و شاداب ہے کہ لکھتے وقت اس کے منہ سے جملے ادا نہیں ہو پا رہے، چنانچہ جذبات کی اس رو میں، وہ کبھی بے جا تکرار کا شکار ہو جاتا ہے، اور کبھی غیر ضروری طوالت کا اور بعض اوقات بات کا اشارہ کر کے آگے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً حرم کعبہ کے روح پرور مناظر لکھتے وقت اس کی جذباتی حالت یوں ہوتی ہے،

" اب بھی وقت ہے واپس چلے جاؤ۔ کہہ دو کہہ دو ہاں ہاں
میں بیمار ہوں، دل کا بیمار، روح کا بیمار، عزم کا بیمار،
حالات کا بیمار، دولت کا بیمار، احساسات کا بیمار، قوت
ارادی کا بیمار، قوت حافظہ کا بیمار، کہو کہو میں ابھی
تمہیں واپس بھیج دیتا ہوں۔ "

درج بالا فقروں میں کس قدر تکرار الفاظ ہے، بظاہر یہ فقرے ہم قافیہ و ردیف اور ان میں صوتی آہنگ ہے مگر مفہوم صحیح نہیں اور اسی طرح بعض جگہوں پر کچھ ٹکڑے بھی بے جوڑ نظر آتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کی زیارت کے باب میں مصنف لکھ رہا ہے کہ وہاں کے لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہمیشہ روضۂ اطہر ان کے سامنے رہتا ہے۔ یکایک، پیرا بدلتا ہے،

" خرگوش کے بچے جب تک آنکھیں نہیں کھولتے۔ تو ماں کے رحم و
کرم پر ہوتے ہیں۔ جب آنکھیں کھلتی ہیں تو پہلے ماحول کا
جائزہ لے کر ادھر ادھر بھاگنے لگتے ہیں۔ اپنی حفاظت بھی
کرتے ہیں اور قرب و جوار کی معلومات بھی۔ " (ص 112)

پھر اس کے بعد مختلف چیزوں کے لدے ہوئے بازار دیکھ کر مصنف کا دل للچانے لگتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، درمیان کا یہ ٹکڑا بے جوڑ سا ہے،

" کتنی لذت اور کتنی حلاوت تھی ان الفاظ میں، اس پاکیزہ
ماحول میں، اس مقدس دیدار میں، ان پرکیف لمحات میں،
ان نورانی فضاؤں میں، ان حسین وادیوں میں، ان خشک

پہاڑیوں میں، یہ لذّت وہی جانتا ہے جس کے دل میں عشق
ہو، تڑپ ہو، سوز ہو، گداز ہو، پیار و محبت کی شمع
روشن ہو، دیدار کے شوق کی قندیلیں آویزاں ہوں۔۔۔ " (ص 116)

اس سفرنامے میں عقیدت کی شدت بہت زیادہ ہے مکّہ و مدینہ ہمارے جذباتی اور روحانی مراکز ہیں۔ خاص طور سے گنبد خضریٰ کی فضا میں پہنچ کر ایک زائر کا جذباتی ہو جانا عین قرین قیاس ہے۔ یہ سفرنامہ ۔۔ اپنے سفر کی طرح عقیدت و محبت کی داستان ہے۔ ہر جملے میں عقیدت کے جذبات ٹپکتے ہیں۔ دربار مصطفیٰ کے سامنے کون ایسا سنگ دل ہو گا جو اشکبار نہ ہو گا، کون بدبخت ہو گا جس کے سینے میں جذبات ادب کا سمندر موجزن نہ ہو، یہی کیفیت " منزل " میں شروع سے آخر تک دکھائی دیتی ہے۔

فاضل مصنف کے ہاں خوبصورت الفاظ میں جذبہ عقیدت محبت کی بھٹی میں پک کر تیار نکلتے ہیں۔ صوتی لحاظ سے ترنم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً

" وہ خدا کا گھر تھا۔ یہ محبوب کبریا کا گھر تھا۔ ہم ان
سنگ ریزوں کو جھک جھک کر ادب سے، محبت سے، اشتیاق
سے، سوز و گداز سے اور عقیدت سے بار بار سلام کرتے رہے،
دیکھتے رہے، رشک کرتے رہے۔ " (ص 128)

پورے سفرنامے میں نعتیہ اشعار کی بھرمار ہے۔ بعض جگہوں پر اقبال اور احمد رضا بریلوی کے خوبصورت برمحل اشعار لکھے گئے ہیں۔ اس سے اس ادب نامے کی عظمت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ص 268 پر قطعہ ملاحظہ فرمائیں

قطعہ

حضور مجھ سے گنہگار پر نگاہ کرم
حضور چشم عنایت کے انتظار میں ہوں
حضور کرب کے دوزخ میں جل رہا ہوں میں
حضور سایۂ رحمت کے انتظار میں ہوں

ایک اہم بات یہ ہے کہ مصنف نے حج بیت اللّٰہ کے سفر، قیام، طواف، رکوع و سجود کے دوران مختلف مقامات پر تخیل کی کرشمہ سازی سے کام لیا ہے۔ خاص طور پر مدینتہ النبی میں گھومتے پھرتے ہوئے ہر مسلمان کی چشم تصوّر میں حضور اکرمؐ (صلعم) کی ذات گرامی کے سائے دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ نبوّت جلوہ فگن نظر آتی ہے۔ یہ مناظر خاص طور پر وادیٔ طائف، منیٰ، عرفات اور مدینتہ النبی کی گلیوں میں چلتے وقت مصنف کی چشم تصوّر میں جھلملاتے ہیں۔ کسی جگہ، حضور اکرم (صلعم) چلتے دکھائی دیتے ہیں اور سنگ بدست بچے سنگ زنی کر رہے ہیں، کبھی آقائے نام دارصحابۂ کرام کے ساتھ تعمیر مسجد کا پروگرام بناتے دکھائی دیتے ہیں، وغیرہ اور سفرنامے کا یہ حصہ ادبیت سے معمور نظر آتا ہے۔

چنانچہ یہ سفرنامہ اپنے اندر بھرپور ادبی چاشنی لئے ہوئے ہے اور نعتیہ اشعار نے اس کی عظمت کو پہلے سے بھی زیادہ نکھار دیا ہے۔

دیار حبیب میں چند روز ـــ ڈاکٹر عبادت بریلوی

==

" دیار حبیب میں چند روز " ڈاکٹر عبادت بریلوی کا سفرنامۂ عمرہ ہے۔ اسے ادارۂ ادب و تنقید لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ 94 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ وہ انقرہ یونیورسٹی (ترکی) میں اردو اور مطالعہ پاکستان کے پروفیسر کی حیثیت سے گئے تھے، ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ وہاں پر حجاز مقدس جانے کا بے پناہ شوق فروزاں ہوا۔ حج کے لئے کئی برس درخواستیں دیتے رہے مگر ان کے نام کا قرعہ نہ نکلا۔ اب مایوس ہو کر عمرہ کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور کسی تکلیف اور تردّد کے بغیر عمرہ کا ویزا مل گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، اللہ میاں نے ایک سبب اور آسانی پیدا کر دی۔ قسمت نے یاوری فرمائی کہ سعودی عرب میں تسلیم الٰہی زلفی سے تعارف ہوا۔ وہ شاعر ہیں اور جدّہ ائر پورٹ پر سعودی عرب ائر لائن میں بہ حیثیت انجنیئر کام کرتے ہیں۔ عمرہ اور حج میں دوستوں کی مدد کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ انہوں نے سعودیہ میں پیش آنے والے سارے مسائل کمال چابکدستی سے حل کر دئیے ۔ ہم نے بہت خوش خوشی اور نہایت اطمینان قلب سے عمرہ ادا کیا اور پھر واپس لاہور آ گئے۔

فاضل مصنف نے درج بالا تمام باتوں اور لوازمات عمرہ کو بہت منفرد اور اچھوتے انداز کے ساتھ اس فن پارے میں پیش کیا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی اعلیٰ پائے کے استاد ہیں۔ زبان اردو، عربی اور فارسی پر مستند مقام کے حامل ہیں۔ کافی عرصہ پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے سربراہ اور یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے فرائض منصبی ادا کئے ہیں۔ آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں اور تصنیف و تالیف کو

اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے۔

زیر نظر ادب پارہ بظاہر ضخامت کے لحاظ سے چھوٹا ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے اس میں الفاظ و تراکیب کے دریا بہا دئیے ہیں۔ برمحل فارسی اشعار استعمال کئے ہیں، بعض جگہوں پر انگریزی عبارت کا بھی سہارا لیا ہے۔ اور یہ فن پارہ ادبی طور پر خوبصورت اور اعلیٰ پائے کی تصنیف بن گیا ہے۔

ہم یہاں بہت شوق سے کہہ سکتے ہیں کہ فنی طور پر اس میں تحقیقی عوامل نظر نہیں آتے اور نہ ہی تجسّس کا شائبہ ملتا ہے۔ مصنف مذکور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اپنے ہی ملک کے کسی شہر میں بیٹھا ہوا، اس شہر کی تاریخ و جغرافیہ کا کما حقہ جائزہ لے رہا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس تسلیم الہی کا دیا ہوا چارٹ اور عمرہ کی گائیڈ بک ہے جسے قدم قدم پر وہ پڑھتے ہوئے اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

سفرنامے پڑھتے ہوئے ہمیں مصنف کے ذوق جمالیات کو سراہنا چاہئیے، انہوں نے کئی مواقع پر اس شہر یا فضا کا جس دلکش انداز سے نقشہ کھینچا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی مثلاً جدّہ شہر کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں

" جدّہ رات کے دو بجے بھی جاگ رہا تھا۔ سڑکوں پر روشنیوں
کے طوفان امڈ رہے تھے۔ ہر چیز سجی سجائی نظر آ رہی
تھی۔ ان مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم مکّہ مکرمہ
جا رہے تھے۔" (ص 25)

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے دل میں مکّہ مکرمہ کی ہیبت اور جاذبیت کس قدر گھر کئے ہوئے ہے اور انہیں وہاں اللّہ تعالی کا جلال و جمال کتنا واضح نظر آتا ہے، اس کی تصویر کشی وہ اس کتاب کے عنوان " مکّہ مکرمہ " میں اس طرح کرتے ہیں،

" راستے میں نئے اور پرانے مکانوں میں جلال و جمال کا ایک عجیب

امتزاج نظر آیا۔ اس شہر مقدس میں اس وقت بھی روشنی
بہت زیادہ تھی لیکن اب ہم لوگوں کو اس روشنی میں جمال
سے زیادہ جلال کی کیفیت کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔
شہر خاموش تھا لیکن اس خاموشی میں بھی ایک جلالی شان
کا بسیرا تھا۔" (ص 29)

مصنف جس مہینے عمرہ ادا کرنے گیا ہے، وہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں کئی جگہوں پر اس کی فضیلت کا اظہار فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالی نے اسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ مصنف روزے کے ساتھ جب مدینۃ شریف میں مسجد نبوی کے گنبد تلے ذکر حمد و نعت میں مشغول ہوا اور پھر یکایک اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھ جائے تو یہ کیفیت باطنی طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ناظر کے جذبات ملاحظہ ہوں

" مسجد نبوی (صلعم) بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ انسان کی
بنائی ہوئی روشنی کی یہاں اندر اور باہر فراوانی تھی۔
لیکن یہاں تو نور برس رہا تھا۔ آسمانوں سے رنگا رنگ
روشنیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ فرشتے چاروں طرف پر
پھیلائے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ در و دیوار سے حسن و
جمال کا طوفان امڈ رہا تھا ..." (ص 47)

اسی طرح کے جذبات و احساسات کا اظہار صفحہ 51 پر بھی موجود ہے " نور کا مینہ برستا ہے .... حسن و جمال کے سمندر موجیں مارتے ہیں...." (ص 51) ڈاکٹر صاحب کی حجاز مقدس سے عقیدت اور محبت، شوق و اشتیاق، جذب و مستی، کی رنگا رنگ روشنیوں نے اس کو انوار ایزدی کا ایک بحر بیکراں بنا دیا ہے۔

" دیار حبیب میں چند روز " کا اگر ہم مذہبی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیں تو

احساس تشنگی محسوس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فاضل مصنف نے کسی تحقیق و جستجو کے بغیر ، بہت بڑے دعوے کر دئیے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

" حضرت اویس قرنیؓ بہت بڑے صوفی بزرگ اور صف اوّل کے عاشق رسول (صلعم) تھے۔ غالباً امام غزالی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب وہ روضۂ رسول (صلعم) پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ آستان حرم تک پہنچے ہی تھے کہ کسی کی آواز آئی وہ سامنے رسول خدا کا مزار مبارک ہے۔ یہ سن کر وہ بے ہوش ہو گئے۔ تاب نہ لا سکے ظاہر ہے کہ ان کی بے ہوشی کا سبب وہ جذب و جنوں ہی ہوا ہو گا جس سے وہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ " (ص 56)

حضرت اویس قرنیؓ رسول خدا کے وصال کے کچھ عرصہ بعد مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت تک قبروں کا مزاروں کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لہذا ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کسی تحقیق کے بغیر لکھ دی ہے۔ اسی طرح صفحہ 64 پر مصنف کی مزارات کے بارے میں شدید محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

" پھر عرب ان سے کہنے لگا ، آپ جنت البقیع گئے ہیں۔ میں نے کہا ابھی تک وہاں جانے کی ہمت نہیں پڑی کیوں کہ میں نے بچپن میں سنا تھا کہ اس میں جو مزارات تھے ، وہ اب باقی نہیں ہیں۔ زمین ہموار کر دی گئی ہے۔ "

ڈاکٹر بہلوی کا اسلوب نگارش سادہ اور رواں ہے۔ البتہ بعض جگہوں پر مشکل الفاظ اور مبہم تراکیب کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ یہ مشکل الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں جنہیں عام قاری نہیں سمجھ سکتا۔

وہ ایک حساس دل اور محب وطن پاکستانی ہیں۔ اس ملک میں رہتے ہوئے جب معاشرے میں بگاڑ محسوس کرتے ہیں، مادیت پرستی کی دوڑ دیکھتے ہیں، منافقت کی چھاپ نظر آتی ہے تو ان کا دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب روضۂ رسول (صلعم) پر حاضر ہو کر جہاں اپنی ذات کے لئے سراپا دعا بن گئے ہیں وہاں اپنے ملک و قوم کی خوشحالی اور بھلائی کے لئے بھی گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں۔ ان کی یہ دعا بہت طویل ہے اور پورے دو صفحات 57، 58 پر محیط ہے۔ وہ خدا کے حضور یوں گویا ہیں،

" میں ایک ایسے ملک کا باشندہ ہوں جہاں پر تیری پرستاروں کی
تعداد بہت زیادہ ہے مگر وہ لوگ مادیت پرست ہو گئے ہیں،
منافقت کا دور دورہ ہے۔ حکام بالا اپنے فرائض کو بھول گئے ہیں۔
مردم آزاری عام ہو گئی ہے۔ اکثریت افلاس اور عسرت میں دھنسی
ہوئی ہے۔ تہذیب و شائستگی ختم ہو گئی ہے۔ جبرو استبداد اور
ظلم و ستم عام ہے۔ اے خاتم النبین! آپ کے توسط سے اللہ تعالی
سے دعا ہے کہ ہمیں راہ راست پر گامزن فرما دے۔ " (ص 57، 58)

آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کا یہ حج کا سفرنامہ بہت اعلی پائے کی تصنیف ہے۔ یہ سفرنامہ مختصر ہے مگر بہت جامع ہے۔ ان کے پاکیزہ جذبات اور لطیف احساسات کی بھرپور انداز میں ترجمانی کی گئی ہے۔ بعض موقعوں پر بہت اچھے نعتیہ اشعار استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے قاری اپنے آپ کو عالم حیرت و خواب میں محسوس کرتا ہے۔

عجمی کا حج — اے آر خالد

عجمی کا حج ، ڈاکٹر عبدالرحمان خالد کا حج کا سفرنامہ ہے۔ کتاب کا ٹائٹل دلآویز ہے اور اس کے درمیان خانہ کعبہ شریف کی بہت دلکش تصویر موجود ہے۔ یہ 125 صفحات پر مشتمل ہے جسے آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں انتساب درج ہے " والدہ محترمہ کے نام" ——— یہ 25 عنوانات پر مشتمل ہے اور ان کے نام بہت نادر اور انوکھی قسم کے تجویز کئے گئے ہیں جیسے پہلی حیرت، تاڑنے والے قیامت کی نظر ....، دعا اور دوا، چم لین دے اور ایک سفر دو روپے وغیرہ وغیرہ

ڈاکٹر خالد صحافت کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔ انہیں 1968ء میں پہلی مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی ۔ یہ حج انہوں نے اپنی بڑی بہن کے ہمراہ کیا۔ دوسری بار حج کی سعادت اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ان کی والدہ محترمہ ان کے ساتھ تھیں۔ یہ حج 1985ء میں کیا تھا۔ یہ سفرنامہ ان کی اسلام، کعبتہ اللہ اور رسول اکرم (صلعم) سے والہانہ محبت اور عقیدت سے لبریز ہے ۔ اس میں فاضل مصنف نے دوران حج پیش آنے والے مسائل ،مشکلات اور کیف و سرور کو خاصے جذباتی انداز سے بیان کیا ہے۔

جیسا کہ کتاب کا عنوان " عجمی کا حج " سے ظاہر ہے، ڈاکٹر صاحب " عجمی " کو غیر معمولی استعاراتی انداز سے پیش کرتے ہیں۔ اصطلاح میں " عجمی " گونگے کو کہتے ہیں۔ ایسا گونگا اور اپاہج شخص جو لاوارث ، بے سہارا اور مفلوک الحال ہو، اپنا مافی الضمیر پیش نہ کر سکتا ہو۔ پرانے زمانے میں عرب کے باشندوں کی زبان فصاحت و بلاغت سے مبرّا ہوتی تھی طبقۂ امراء اور معززین شہر کی روزمرہ کی زبان عربی تھی جب کہ سوائے عرب کے رہنے والے (جاہل اور گنوار) جب مکّہ اور مدینہ شریف میں داخل ہوتے تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہو

جاتیں۔ زمانے کے اطوار، رهن سہن، بود و باش سب کچھ ترقی یافتہ نظر آتا اور اس کے ساتھ ساتھ جو بولی وہ بولتے تھے، مقامی باشندوں کے لئے ناقابل تفہیم ہوتی ۔ لہذا مقامی عربی لوگ ان کا مافی الضمیر نہ سمجھ سکتے اور آخرکار انہیں ہاتھ کے اشاروں سے اپنا مدّعا واضح کرنا پڑتا ۔ ان حالات میں انہیں "عجمی" کہا جاتا ۔

اس کتاب میں اے آر خالد نے عرب کے باشندوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو اور دوسرے ساتھی حجاج کو عجمی کہا ہے یعنی حجاز مقدّس (جو کہ حضور پاک کا مسکن ہے) کے رهن سہن ، ماحول اور مفاهیم، سب چیزوں سے نابلد ہیں اور صرف ایک خواهش لے کر دور دراز سے آئے ہیں کہ اللّٰہ تعالی رحم فرما اور انہیں اپنے انعامات سے نواز دے۔ کتاب میں بہت جگہوں پر لفظ عجمی استعمال ہوا ہے اور ہر بار قاری اس استعارے کے مفہوم تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے جیسے صفحہ 12 پر لکھتے ہیں کہ

" میں عجمی تھا ، آنکھیں کھلی ہوئی تھیں بلکہ یہیں پہنچ
کر کھلی تھیں۔ "

اسی طرح صفحہ 15 پر دعائیہ کلمات کے آخر میں یوں رقم طراز ہیں ،

" اے اللّٰہ تیرے دین کا نام لے کر سیاسی فائدے حاصل کرنے والے
تیرے دین کی کوئی خدمت نہیں کر رہے تو ان عجمیوں کا
طرف دار ہو جا جو تیرے دین کی سربلندی چاہتے ہیں۔
تبھی تو تو نے مجھ عجمی کی پہلی نظر میں اتنی طوالت
عطا کر دی .... میں تیرے کعبے کا دیدار کر رہا ہوں.. "

آگے چل کر ص 58 پر لکھتے ہیں کہ " ہم عجمی اس جھگڑے کا سبب یہی سمجھتے ہیں کہ شیطان اپنی پٹائی کے بعد کمزور طبیعت حاجیوں کو ورغلاتا ہے۔ "

ص 69 پر منجملہ سب حضرات کو عجمی کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" ہمیں تو اپنی طرح کا وہ عجمی اچھا لگ رہا تھا جو ملتزم
یعنی خانہ کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ سے چمٹ کر کہہ رہا
تھا ... "

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کو انگریزی زبان سے خاصا شغف ہے۔ کتاب کے تقریباً ہر صفحے پر انگریزی الفاظ بہت تواتر سے لکھے ہیں۔ بعض اوقات یہ الفاظ طبیعت پر گراں محسوس ہوتے ہیں مثلاً ص 12 پر لکھتے ہیں کہ " یہ میری اپنی انٹرپریٹیشن تھی۔ الفاظ کو معنی دینا اور الفاظ و معانی کی اپنی انٹرپریٹیشن کرنا ہم عجمیوں کی دوسری خامی ہے۔ "

ص 116 پر درج ہے " میں نے ناخواندہ ہونے کا ذکر اس لئے کیا کہ انہی دنوں " گریٹ پیپلز ٹو فلائی ود پی آئی اے " کا نعرہ عام تھا۔ "

ص 121 پر رقم طراز ہیں " اس لئے ہم " ڈبل مائینڈڈ " ہونے کے باوجود وہاں کھڑے ہو گئے " .... ص 115 پر ہے " یہ ایک فارمیلٹی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا " .... ص 37 پر لکھا ہے " بلکہ عرصہ بعد ، " ہیڈفون " کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ " ... اسی طرح لفظ ڈسپلن ، پرابلم، کنفرم وغیرہ کئی جگہوں پر درج ہے۔

مصنف کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ان کا شعری ذوق قدم قدم پر انہیں برمحل اشعار کہلوانے پر مجبور کرتا ہے، جیسے ص 67 پر حجر اسود کو بوسہ دینے کے ضمن میں اقبال کا یہ شعر حسب موقع استعمال کیا ہے،

یہ تیری بوسے کو بوسہ دیتے ہیں ہم حجر اسود پر
وگرنہ ہم مسلمانوں کا کیا رکھا ہے پتھر میں

" عجمی کا حج " میں وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جن سے عام حجاج یا قارئین عرصہ دراز سے واقفیت رکھتے ہیں لیکن ان میں مصنف کی انفرادیت قدم قدم پر قارئین کے لئے توجہ کا مرکز

بن جاتی ہے۔ جہاں وہ خود جاتا ہے اور مشاہدہ کرتا ہے، اپنے قارئین کو بھی انگلی پکڑ کر ساتھ لئے پھرتا ہے اور یہی اس تخلیق کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

انہوں نے غیر معمولی طور پر ان نشانات اور مقامات کا کھوج لگایا ہے جہاں عام حاجی کی نظر نہیں جاتی اور اس طرح مختلف نوع کی معلومات فراہم کی ہیں، مثلاً ص 54 پر " چم لین دے" کے عنوان کے تحت، چند ستونوں کا ذکر کرتے ہیں۔ حجاج کرام کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ انہیں کسی نہ کسی طرح ﷺ چوم لیا جائے۔ " ستون توبہ" جہاں ایک صحابی ابولبابہ کا قصور اس طرح معاف ہوا تھا کہ انہوں نے خود کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ تب سے اسے ستون توبہ کہتے ہیں۔ " ستون عائشہ" اس جگہ کی نشان دہی حضرت عائشہ نے فرمائی تھی۔ " ستون وفود" باہر سے آنے والے وفود سے حضور اکرم (صلعم) اسی جگہ ملاقات فرماتے تھے۔ " ستون علی" یہاں حضرت علی نماز پڑھا کرتے تھے۔ " ستون حنّانہ" یہاں کھڑے ہو کر آپ خطبہ فرماتے تھے۔ " ستون تہجد" یہاں حضور اکرم تہجد ادا فرماتے تھے۔

یہ حج نامہ بہت دلچسپ ہے، جہاں حقیقت نگاری موجود ہے، قارئین بہت سنجیدگی اور دل جمعی سے حجاز مقدس کے سربستہ اسرار سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور بعض مواقع پر حسّ لطافت کا اہتمام بھی کیا گیا ہے تاکہ مزاح کا لطیف عنصر پیدا ہو سکے، مثلاً مصنف نے " حاجیوں کی قسمیں" کے عنوان سے مختلف طرح کے حاجیوں کا تذکرہ کیا ہے اور یہاں روایتی طور پر مزاح کی چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً حاجیوں کی بہت اقسام ہیں، پہلی قسم کے حجاج میں بعض غصیلے اور جارح ہوتے ہیں اور بعض حلیم اور " سمبو" ۔ ان میں سرفہرست جھگڑالو حاجی ہوتے ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ " ان مولویوں کا جھگڑا ملتان کے حاجیوں سے تھا جن کی عورتیں بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد امدادی کارروائی میں حصہ لیتیں۔ "

حاجیوں کی دوسری قسم افواہیں پھیلانے والوں کی ہے۔ یہ مختلف افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کی افواہوں کی بنیاد ان کے اندر سے ہی جنم لیتی ہے۔" ص 60 ......

حاجیوں کی تیسری قسم وہ ہے جو ہر کام پیسے سے کرانے کے عادی ہیں یعنی جہاں کوئی مشکل پیش آئے وہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی مٹھی گرم کرو اور کام نکالو" اس سے ملتی جلتی حاجیوں کی وہ قسم ہے جو دوسرے حاجیوں کو ڈراتے رہتے ہیں، اس قسم میں بالعموم لیڈر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

فاضل مصنف کا اسلامی علیمات کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ ازبر کر رکھا ہے، اس لئے کئی مقامات پر قرآنی آیات مع اردو ترجمہ درج کر دی گئی ہیں اور اس سے ان کے ذوق قرآنی کا معترف ہونا پڑتا ہے۔
ڈاکٹر خالد کا اسلوب بیاں نہایت پرکشش ہے۔ کتاب کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے۔ حاجی (مسافر) کے لئے حج کی سعادت اور روضۂ رسول کی حاضری بہت انمول تحفہ ہوتی ہے۔ انہوں نے ایسے ہی ایک شخص کی دلی اور روحانی کیفیت بیان کی ہے جو ملتزم یعنی خانہ کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ سے چمٹ کر یوں معافی مانگ رہا ہے۔(بحوالہ ص 69)

" اللہ سائیں، ہمارے دروازے پر تو ہمارا دشمن بھی چل کر آ جائے تو ہم اسے معاف کر دیتے ہیں، اس کی عذرت قبول کر لیتے ہیں، سمجھتے ہیں اپنی انا اور اکڑ کو مٹا کر آیا ہے، اس کو پھر نہ کوئی طعنہ دیتے ہیں نہ اس کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اسے سینے سے لگا لیتے ہیں، تُو تو خالق ہے، بتا دے ناں کہ تو نے ہماری عذرت قبول کر لی ہے۔ اللہ سائیں ہم کوئی مولوی نہیں ہیں، نہ ہمیں دین کی سمجھ ہے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ تیرے سامنے شرمندہ و رسوا ہونے سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہی تھا کہ تیرے گھر آ جائے۔"

درج بالا اقتباس میں کس قدر روانی اور سلاست ہے۔ مصنف نے حاجی کی جذباتی کیفیت کو نہایت والہانہ انداز سے بیان کر دیا ہے اور یہی ان کی تحریر کا خاصا ہے۔ ان کی تحریر میں بیباکی، بے لاگ پن اور بے ساختگی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کا اسلوب بیاں نہایت سادہ اور پرشکوہ ہے۔ انہوں نے نہایت سہل اور ادبی چاشنی کی حامل زبان استعمال کی ہے اور کسی جگہ تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیا۔

احمد ندیم قاسمی کا سفرنامۂ حج

(جنگ میگزین کی اقساط کے حوالوں سے)

احمد ندیم قاسمی اعلیٰ پائے کے ادیب ہیں۔ اردو ادب کی مختلف اصناف میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ بحیثیت شاعر ، قاسمی صاحب کا مقام و مرتبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ موصوف کافی عرصہ سے مجلس ترقی ادب کے چیرمین ہیں۔ ان کی نثری تخلیقات کی فہرست خاصی طویل ہے، تاہم چیدہ چیدہ کتب کے نام چوپال ، سیلاب و گرداب، سنّاٹا، کپاس کا پھول ، گھر سے گھر تک، نیلا پتھر، محیط، دوام ، وغیرہ ہیں۔

مولانا چراغ حسن حسرت کے بعد طویل عرصہ تک روزنامہ امروز کا معروف فکاہیہ کالم " حرف و حکایت " تحریر کرنے کا سہرا قاسمی صاحب کے سر پر ہے۔ احمد ندیم قاسمی دور جدید کے بہت بے باک صحافی ہیں، صحافت کے میدان میں ان کی تحریریں بہت معتدل اور تبصرے غیر جانبداری کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے قلم میں جدیدیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی دو مرتبہ حجاز مقدس کے روح پرور مناظر سے لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے سفر حج کی باضابطہ روداد نہیں لکھی بلکہ روزنامہ جنگ کے 22 جولائی 1988ء سے 30 ستمبر 1988ء کے جمعہ میگزین میں آٹھ اقساط پر مشتمل مختلف طرح کی یادداشتیں قلم بند کی ہیں۔ ان اقساط کی تفصیل اس طرح ہے، پہلی قسط 22 جولائی 1988ء، دوسری قسط 29 جولائی ، تیسری قسط 5 اگست، چوتھی قسط 26 اگست، پانچویں قسط 2 ستمبر ، چھٹی قسط 16 ستمبر، ساتویں قسط 23 ستمبر اور آٹھویں یعنی آخری قسط

30 ستمبر 1988ء ، روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں تحریر کی ھیں۔

پہلی قسط کے شروع میں ھی اپنی تحریر کا جواز ان الفاظ میں پیش کرتے ھیں

" یہ میرا سفرنامہ نہیں محض ایک روداد ھے۔ ایک کارروائی کا بیان ھے اور مقصد صرف اور صرف یہ ھے کہ آئندہ سفر حج پر جانے والوں کے لیے ھمارے حکمران محض زبانی جمع خرچ سے کام نہ لیا کریں بلکہ جو کچھ کہتے رھتے ھیں، اسے کر کے بھی دکھائیں۔ " (1)

قاسمی صاحب مقصدی ادب تخلیق کرتے ھیں۔ معاشرے میں جہاں بھی کسی جگہ عدم توازن محسوس کرتے ھیں، فوراً نشان دھی کرتے ھیں، ان کا یہ رنگ تقریباً تمام تصانیف میں غالب ھے۔ اگر ھم موصوف کی ان اقساط کا تنقیدی جائزہ پیش کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ھیں کہ ادبی لحاظ سے یہ منظم حج نامہ (سفرنامہ) نہیں ھے البتہ سفر حج کے بعد کے تاثرات اور محسوسات کا بے ساختہ اظہار ھے۔ وہ عام حاجی کی حیثیت سے حجاز مقدس گئے ھیں۔ ان کے پاس سپانسر شپ کارڈ ھے اور نہ ھی سرکاری و نیم سرکاری مہمان کی حیثیت سے خاص اھتمام سے سفر حج طے کیا ھے۔

ان کی اس تحریر کی ایک اھم خوبی یہ ھے کہ ھر قسط میں دو، تین سرخیاں اور ذیلی سرخیاں جلی حروف میں شامل کی ھیں، جن سے تحریر کو چار چاند لگ گئے ھیں مثلاً

" حرم نبوی کے میناز دیکھ کر سب کی تھکن دور ھو گئی "

" ایک ھی مقصد کے تحت ایک ھی سمت روانگی " وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ تمام صفحات پر عام قارئین کے لیے سفر حج اور مناسک حج سے متعلق بہت خوبصورت

1۔ بحوالہ جمعہ میگزین، 22 جولائی 1988ء، ص 6

تصاویر پیش کی ہیں، جنھیں دیکھنے کے بعد، تحریر سے متعلق بہت ہی دل آویز تاثر ابھرتا ہے۔ جن لوگوں نے حج اور عمرہ ادا کیا ہوا ہوتا ہے وہ اپنے سفر کی حسین و جمیل یادیں بڑے ذوق و شوق سے دہراتے ہیں اور جو ابھی تک اس نعمت سے محروم ہیں، وہ بہت حسرت و شوق کے ساتھ اظہار تمنا کرتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔ وہ دبستان لاہور کے سرگرم عمل رکن ہیں۔ ان کے ہاں ادبی چاشنی اور گھلاوٹ کا انحصار برمحل الفاظ اور مزاح نگاری میں ہے، کئی جگہوں پر خوبصورت اور تعمیری انداز میں حکومت کے بعض اقدام پر طنز کی ہے مثلاً

"جو رقم دی گئی وہ بہت ناکافی تھی۔ ہدایت یہ دی گئی کہ بینک آپ کو چالیس ریال نقد اور باقی رقم ٹریولرز چیک کی شکل میں دے گا۔ گویا یہ رقم کھانے پینے، قربانی اور وہاں کی آمدورفت کے لیے کافی ہے بلکہ کچھ رقم بچ جائے گی جس سے اپنے گھر والوں کے لیے تبرکات اور تحائف خرید سکتے ہیں۔"

(بحوالہ جمعہ میگزین، 29 جولائی، ص 9)

"جن صاحب نے اخراجات کا یہ تخمینہ بنایا ہے، انھی سے آئندہ وفاقی حکومت کا بجٹ تیار کرانا چاہیے، تاکہ ہمارا بجٹ اس منی بجٹ کا بجٹ بن جائے کہ پُل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا" (ص 10)

اسی طرح مکّہ مکّرمہ میں رہائش کا جو کمرہ دیا گیا، اس میں جگہ بہت کم تھی، اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

"کمرے میں گدے یوں بچھائے گئے تھے کہ عازمین حج ایک دوسرے

کی ناکوں سے ناکیں ملائے، ایک دوسرے کے اندر اپنے سانس
اور اپنے خراٹے منتقل کر رہے تھے۔"

(بحوالہ جمعہ میگزین، 29 جولائی ، ص 10)

ہم جانتے ہیں کہ ہر اچھے ادیب کے ہاں حسّ ظرافت کی کارفرمائی بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ اسی سے فن میں صحت مند رجحان پیدا ہوتا ہے اور مزاج میں ترو تازگی پیدا ہوتی ہے۔ قاسمی صاحب کے یہاں بھی یہ عنصر موجود ہے اور اسی سے ان کی تحریر میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے مثلاً مکہ شریف سے مدینہ جاتے ہوئے بس کی دھکم پیل کے ضمن میں رقم طراز ہیں

" ہم بھی سوار ہوئے مگر بالکل اس مسافر کی طرح جس نے سمندر
میں چھلانگ لگا کر ایک مسافر کو ڈوبنے سے بچایا تھا اور جب
اخبار نویسوں نے اس سے اس دلیری اور جواں مردی کا پس منظر
پوچھنا چاہا تو اس نے کہا کہ پہلے مجھے اس شخص کا تو سراغ
لگانے دیجئے جس نے مجھے سمندر میں دھکا دے دیا تھا۔"

(بحوالہ جمعہ میگزین، 26 اگست ، ص 11)

احمد ندیم قاسمی کھلی آنکھوں اور روشن دماغ کے مالک ہیں، اس سفر میں بہت ساری مسلم اقوام کی تہذیب و ثقافت کا مشاہدہ کیا ہے، لیکن ان سب کے مقابلے میں ترکی اور ملائشیا کے عوام کا تذکرہ بہت زیادہ کیا ہے گویا ان سے خاص انس اور رغبت ہے۔ ان آٹھ اقساط میں بہت موقعوں پر ان لوگوں کے ڈسپلن اور رواداری کی توصیف کی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کی ترقی پسند ادبی تحریک سے فعال وابستگی رہی ہے، مگر وہ اپنے بعض ساتھیوں کے برعکس ایک خوش عقیدہ اور با عمل مسلمان ہیں۔ ان کا اس خدا پر مکمل ایمان ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے اور جو ہر کسی کو بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ان

کا یہ سفر اس عزم کی بھرپور عکاسی کرتا ہے

ـہ یہ پڑا ہے گناہوں کا انبار رحمتیں آپ ہی شمار کریں

انہوں نے یہاں وہ واقعہ بھی درج فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ شریف کے گرد کچھ لوگ بہت گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ روتے روتے بے ہوشی کی منزل تک پہنچنے والے تھے۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو خاصی طمانیت سے گزر گیا اور دل میں یہ اطمینان تھا کہ یہ گناہ کار ہیں، اس لیے عاجزی کے ساتھ معافی مانگ رہے ہیں۔ میں نے جب کوئی گناہ ہی نہیں کیا تو کس لیے رونا دھونا شروع کر دوں۔" (بحوالہ 26 اگست، ص 8)

ان آٹھ اقساط میں فاضل مصنف کئی موقعوں پر حکومت پاکستان اور حکومت سعودیہ کو مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اس سے ان کے جذبۂ اصلاح پسندی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ حکومت پاکستان کو کئی موقعوں پر ہدایت دیتے ہیں کہ عازمین کرام کو "کتابچہ ہدایات برائے عازمین حج" پڑھنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ اس سے جملہ مناسک حج کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔ گروپ لیڈر کے ہاتھ میں جھنڈا ہونا چاہئیے، گرمیوں کے حج میں ٹھنڈے پانی کی بوتل ہر وقت ساتھ ہونی چاہیے۔ خدام الحجاج کا عام حجاج کرام سے رابطہ لازمی ہونا چاہیے۔ اسی طرح حکومت سعودیہ کے نظم و ضبط میں بھی بہت جگہوں میں خلا نظر آتا ہے۔ مثلاً موصوف مشورہ دیتے ہیں کہ طواف کرتے وقت وہ خواتین و حضرات طواف میں بری طرح حائل ہوتے ہیں جو حرم کے آس پاس، مقام ابراہیم کے قریب یا خطیم کے رخ پر نماز پڑھنے میں مصروف ہوتے ہیں، یہ دوسروں کے لیے مشکل پیدا کرتے ہیں اور دوم یہ کہ صفا اور مروہ کی بالائی منزل پر چھوٹے چھوٹے بچوں کو معذوروں والی ہتھ گاڑیوں سے کھیلتے دیکھا گیا ہے جو مناسک کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ اسی طرح وہ لکھتے ہیں کہ

" جب ہم پہلے شیطان کے قریب پہنچے تو اس دائرے کے چاروں

طرف کم و بیش تیس چالیس ہزار ٹوٹے ہوئے اسفنج کے چپل بکھرے
ہوئے تھے اور ان پر چلتے ہوئے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کوئی
دس فٹ موٹے فوم کے گدے پر چل رہے ہیں۔"

سوم، جمرات کی رمی کے لیے حکومت انتظام کرے اور اس طریقے کو منظم کرے۔ اس جگہ پر بھی خدام الحجاج کا پتہ نہ چل رہا تھا اور عازمین کرام کو خاصی دقت محسوس ہو رہی تھی۔" (بحوالہ میگزین، 23 ستمبر ، ص 14)

اسی طرح کے بہت مفید مشورے ان اقساط میں موقع بہ موقع شامل کئے گئے ہیں، آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ واسعی صاحب کا یہ سفرنامہ ایک دردمند پاکستانی مسلمان کے گہرے مشاہدے اور معنی خیز جزئیات کے اظہار کے اعتبار سے اور ادبی چاشنی کے لحاظ سے ایک کامیاب حج نامہ ہے۔

میرے حضور کے دیس میں ۔۔ جاوید جمال ڈسکوی

==================================

میرے حضور کے دیس میں ، جاوید جمال ڈسکوی کا حج کا سفرنامہ ہے۔ یہ جنگ پبلشرز نے 1990ء میں شائع کیا ہے۔ یہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا انتساب مصنف نے بہت انوکھے انداز میں کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں کہ

" پیر طریقت مولانا ملک عبدالحفیظ مکی کے نام کہ حضرت جی مولانا زکریا احمد کے اس خلیفۂ اجل کو دیکھ کر میں ہمیشہ حیران ہوتا ہوں کہ پیروں کی بھیڑ میں یہ پیر کتنا مختلف ہے۔"

اس کتاب کا پیش لفظ ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہے جسے خود مصنف نے تحریر کیا ہے۔ اپنے قریبی دوستوں کے شکریے ادا کئے ہیں جن کی معاونت سے یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور آخر میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

" آپ کی ذات کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا۔ ایک سے واقعات بار بار دہرائے گئے مگر ہر دفعہ پڑھنے اور سننے میں ایک نیا ہی لطف آتا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ معجزے کے صدقے اس کتاب کو بھی دلچسپی سے پڑھیں گے اور مفید پائیں گے۔"

اس سفرنامۂ حج کے سب سے پہلے صفحے پر خانۂ کعبہ کی بہت بڑی تصویر آویزاں ہے۔ اس تصنیف کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ ہر ورق کے بعد اگلا ورق خوبصورت تصویر پر مبنی ہے اور یہ فوٹو پورے صفحے پر محیط ہوتا ہے۔

جاوید جمال ڈسکوی مرحوم اعلیٰ پائے کے صحافی تھے، ان کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ روزنامہ جنگ سے کافی عرصہ تک وابستہ رہے، انہیں کئی بار حجاز مقدس جانے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے کھلی آنکھوں سے مسکن رسول کا دیدار کیا اور پھر اسے " میرے حضور کے دیس میں " کے عنوان سے قلم بند کر دیا۔

" میرے حضور کے دیس میں " کے 76 عنوانات ہیں اور یہ بہت مختصر ہیں جیسے بکہ ... مکہ، حدود حرم، مقام حدیبیہ، مقام بیعت رضوان، دار ارقم، مولد نبی، مکان حضرت علی، مکان حضرت ابوبکر صدیق، جنت علی، مزار حضرت خدیجہ، غار حرا، وادی عسر مسجد کوثر، وادیٔ قدیر، جبل احد، سقیفہ بنی ساعدہ، عروہ کا کنواں، غرس کا کنواں، مسجد نبوی اور آخری زیارت وغیرہ وغیرہ

اس کتاب میں اٹھائیس مساجد کے حالات درج ہیں جب کہ چار کنوؤں اور چھ مکانوں کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ عنوانات بہت مختصر ہیں مگر فاضل مصنف نے ان کے بارے میں قدیم و جدید معلومات کے دریا بہا دئیے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے جدید ماخذات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ہر پہلو کو قریب سے دیکھا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف کا ذوق مشاہدہ، آگہی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ طویل ترین واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہوتا ہے، جدّت بیان ان کی تحریر کا خاصا ہے اور کافی حد تک تحقیقی لوازمات بھی ادا کئے ہیں مثلاً صفحہ 13 پر لفظ مکّہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں

" قرآن پاک میں اللّٰہ تعالی کا فرمان ہے بحوالہ سورتہ آل عمران
پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لئے بنایا گیا وہ " بکّہ " میں
تھا، زبور میں بھی مکّہ کو بکّہ ہی کہا گیا ہے۔ "

جہاں ان کا مطالعہ بہت عمیق ہے وہاں ماحول اور تہذیبی لوازمات کو بھی نظر انداز نہیں

کیا۔ وہ مسجد کوثر کا تذکرہ اسی پس منظر میں کرتے ہیں کہ

" حضور اکرم (صلعم) کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں میّت تھی اور باپ کو بیٹے کا غم تھا۔ حقیقی چچا ابولہب کا گھر ساتھ تھا، دیواریں سانجی تھیں، خونی رشتے کی عربوں میں بڑی اہمیت تھی مگر ابولہب تو آپ کی تکلیف کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ یہ تکلیف آپ پر آئی تو اس کی تو جیسے عید ہو گئی۔ صبح ہوئی وہ گھر گھر یہ خبر پہنچانے لگا۔ " بتر محمد اللیلتہ " آج رات محمد کی جڑ کٹ گئی اور وہ لاولد ہو گئے۔ "

اس کے جواب میں سورۃ کوثر نازل ہوئی اور اسی یاد میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اسی طرح ہی انہوں نے مسجد الکبش کا ذکر کیا ہے اس مسجد کو حضرت امیر معاویہ نے تعمیر کروایا تھا۔

جاوید جمال نے جہاں حجاز مقدس میں فریضۂ حج ادا کیا ہے وہاں اس خاک پائے رسول کی جی بھر کر سیر کی۔ انہیں تاریخ اسلام سے بہت شغف تھا اس لئے وہاں کی ہرچیز کو چودہ سو سال پہلے کے مناظرات کے حوالوں سے محسوس کیا۔ وہاں کی معمولی چیزوں کو بھی بہ نظر غائر دیکھا اور لطف اندوز ہوئے مثلاً " عروہ کا کنواں " کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں

" بیر عروہ وادیٔ عقیق میں ہے جو مدینہ میں باب غبریہ سے نکل کر آتا ہے۔ حضور اکرم(صلعم) کو اس کنوئیں کا پانی بہت پسند تھا، آپ شوق سے پیا کرتے تھے۔ " (بحوالہ ص 94)

صحافت کی اہم خوبی سلاست بیان ہوتی ہے۔ ہر اچھے صحافی کی طرح جاوید جمال کے ہاں بھی نثر میں سلاست و روانی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ معمولی اشیاء اور معمولی جگہوں کی سیر کی اور پھر اسے غیر معمولی انداز میں سپرد قلم کر دیا۔ اس طرح جہاں ان کے ہاں معلومات

کے خزانے ملتے ہیں وہاں انہوں نے جی بھر کر عبادت بھی کی ہے۔ کئی راتیں مسجد نبوی میں بیٹھ کر یاد خدا میں گزاری ہیں اور کئی کئی گھنٹے خانۂ خدا کا طواف کیا اور اس طرح روحانی لذّت سے سرفراز ہوئے۔ " میرے حضور کے دیس میں " کا ہر صفحہ گواہی دے رہا ہے کہ موصوف نے کتنی خوبصورت تشبیہات استعمال کی ہیں۔ چوں کہ انہیں عربی اور فارسی زبان سے بھی شغف تھا اس لئے اکثر تشبیہات عربی اور فارسی کی پیش کی ہیں۔

ان کے ہاں مضامین میں بہت تنوّع پایا جاتا ہے۔ عام مضامین کو فطری روانی کے ساتھ اور بڑے مذہبی تناظرات کے ساتھ پیش کیا مثلاً صفحہ 35 پر شبیکہ قبرستان کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں کہ

> " قریش مکّہ طرح طرح سے مسلمانوں کو ستاتے تھے۔ حضور اکرم (صلعم) صبر کی تلقین کرتے۔ کفار نے آخرکار مسلمان لوگوں کو دفن کرنے کی جگہ نہ دی تو اس وقت حضرت خدیجہ نے اپنی یہ زمین مسلمانوں کو قبرستان کے لئے دے دی اور اس زمین میں کئی آسمان دفن ہیں یہاں حضرت یاسر، حضرت سمیہ جیسی ہستیاں مدفون ہیں۔ " (ص 35)

معلومات کے ضمن میں ایک جگہ بتاتے ہیں کہ " حضرت میمونہ سے حضور اکرم (صلعم) کا نکاح، آخری نکاح تھا۔ "

اسی طرح چھوٹے چھوٹے فقرات اور برمحل اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایجاز و اختصار ہی " میرے حضور کے دیس میں " کا کارنامہ ہے۔ بہت معمولی ضخامت کی کتاب میں وہ کچھ بیان کیا گیا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ بہت تھوڑا عرصہ حجاز مقدس میں گزار کر فاضل مصنف نے اس قدر معلومات پیش کر دی ہیں جیسے کئی سال یا بہت طویل عرصہ وہاں گزار آئے ہوں۔

اس کتاب میں جزئیات نگاری کا خاصا اہتمام کیا گیا ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی چیزوں کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے مثلاً صفحہ 56 پر " حرم کے کبوتر " کے عنوان سے بتاتے ہیں کہ

" جب کفار پیچھا کرتے ہوئے غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا ۔ دفعتہً ببول کا درخت اگا اور اس کی شاخوں نے پھیل کر آپ کو چھپا لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے، گھونسلہ بنا کر انڈے دئیے۔ حرم کے کبوتر انہیں کبوتروں کی نسل سے ہیں جنہیں لاتعداد حاجی اور زائرین دانہ ڈالتے ہیں مگر یہ باتیں محض روایت ہی ہیں۔" (ص 56)

آخر میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جاوید جمال ڈسکوی نے واقعتہً ارض حجاز کی جی بھر کر سیر کی اور اپنے مشاہدات اور احساسات کو بہت اچھوتے اور دلنشین انداز کے ساتھ " میرے حضور کے دیس میں " قلم بند کر دیا۔ اس میں ان کا دل پسند اسلوب نگارش بھی ہے اور حسن بیان بھی موجود ہے۔

اپنی منزل کی طرف ـــ عاصی کرنالی

یہ بہت ہی خوبصورت عمرہ کا سفرنامہ ہے۔ عاصی کرنالی نے زیارات و عمرہ کا فریضہ 1981ء میں ادا کیا۔ اس کی من و عن روداد پیش کر دی ہے۔ انہوں نے اسی عمرے میں شامل اپنے والدین کے لئے بھی عمرہ ادا کیا۔ کتاب کا اسکیچ بہت خوبصورت ہے، اس کی اشاعت کتاب گھر ملتان نے کی ہے۔

عاصی کرنالی ایک ماہر تعلیم، صاحب طرز ادیب و شاعر ہیں، ان کا ادب میں ایک خاص مقام ہے۔ اس سے پیشتر ان کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔ نظم و غزل میں " رگ جاں " " جشن خزاں "، " چمن "، " مدحت"، " شعلوں کے گلاب" اور " جاوداں " ہیں، جب کہ افسانوں کا مجموعہ " چہرہ چہرہ ایک کہانی " اور طنز و مزاح میں " لب خنداں " اعلیٰ پائے کی تصانیف ہیں۔

اس کا انتساب انہوں نے اپنے مرحوم والدین اور اپنی بیوی ثمر بانو ہاشمی کے مرحوم والدین کے نام کیا ہے۔ جن کی جانب سے انہوں نے عمرہ ادا کیا۔ پہلے صفحے پر ایک خوبصورت شعر درج ہے۔

یوں مسافر جا رہا ہے اپنی منزل کی طرف
جیسے اک کشتی اڑی جاتی ہو ساحل کی طرف

مصنف نے اس کو 18 ابواب میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان ابواب کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔ عنوانات کے نام خاصے اچھوتے اور نادر تجویز کئے گئے ہیں۔ ان سے ہی اس سفرنامے کی ادبیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، جیسے " ز حد می گزرد تشنہ لبی، دامان صبا، پرواز تصور، اندیشۂ مرگ بے شرف، زمزمۂ انبساط، ناقۂ لیلیٰ اور غبار مجنوں، الشمس و قمر بحسبان، کیسۂ نادار

پر پہلا شب خون ، کیف حضوری سے کرب فراق تک۔ اور کلاہ فقر کا افتخار" وغیرہ

اس سفرنامے میں جابجا فارسی اور عربی کے مشکل اور دقیق اشعار اور مقولے درج ہیں، جس سے عبارت خاصی بوجھل محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت مشکل استعارات و تشبیہات استعمال کی گئی ہیں، مصنف کو چاہئیے تھا کہ کسی جگہ حاشیے میں یا صفحے کے آخر میں ان کی تفہیم کا اہتمام کرتا تاکہ یہ بیش بہا تحریریں عوام و خواص کے لیے یکساں دلچسپی کا باعث ہوتیں۔ کتاب شروع سے لے کر آخر تک پڑھ لیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفرنامہ عام قارئین کے لئے نہیں بلکہ بہت اعلیٰ دماغ اور خواص کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ چند مقامات پر علامہ اقبال کے بہت برمحل شعر تحریر کئے ہیں۔ عاصی صاحب نے کبھی کبھار اپنے خوبصورت حمدیہ اشعار اور نعتیں بھی قلم بند کی ہیں جو کہ عبارت میں سیاق و سباق کے مطابق درج کئے گئے ہیں اور یوں خاصی دلچسپی کے حامل نظر آتے ہیں۔

اس سفرنامے میں جملہ معلومات خاصی زیادہ ہیں، مصنف ایسے نگار خانے میں پہنچ گیا ہے جہاں وہ کسی نہ کسی حد تک اپنے ساتھیوں کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے۔ ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ اس سفرنامے میں لطیف مزاح کا اہتمام بھی بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ عاصی کرنالی خود نہیں ہنستے بلکہ دوسروں کو ہنسانا چاہتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ان کے مزاح میں ایک خوش کن کاٹ ہے جسے پڑھنے کے بعد بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے، مثلاً صفحہ 72 پر ملاحظہ فرمائیں،

" ایام کہولت میں ایک سکوٹر میرے پاس ہے جو پچیس سال کی
رفاقت کے سبب میری ہی طرح دوسرے سکوٹروں میں " بزرگوار "
ہو گیا ہے۔ اس بڑھاپے پر ترس کھا کر موٹر وہیکل ٹیکس والوں
نے اس کے ٹوکن چارجز معاف کر دئیے ہیں۔ "

اسی طرح صفحہ 127 پر بیگم کے بارے میں لکھا ہے کہ

" سوچ رہی ہوں گی کہ کس ٹھاٹ سے شادی ہوئی ہے، نصیب
ہی پھوٹ گئے۔ "

" مدینے میں قاری صاحب نے کہا کہ " عاصی شیطان کا ایک نام
ہے سو میں نے اس شیطان کو بھی اپنی ذات سے خارج کردیا
اور پندرہ دن کے لئے ہم " الشیخ شریف احمد " بن کر رہ
گئے۔ " (ص 145)

پہلے باب سے پہلے انہوں نے " حسن طلب " کے عنوان سے ایک خوبصورت نعت لکھی ہے۔ قدم قدم پر خوبصورت اور وقیع الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے مصنف کی علم پروری اور ادب شناسی کا معتقد ہونا پڑتا ہے، لکھتے ہیں " میری نگاہ عبرت کے سامنے وہی مقتل تھا جس میں تماشان رسولؐ ، دشمنان حق اور بد فطرت و بد عاقبت یہودیوں کو عدل کی بنیاد پر واصل جہنم کیا گیا تھا۔۔۔ " (ص 141)

اسی طرح صفحہ 90 پر رقم طراز ہیں،

" موسم کا ذکر آیا تو ذہن میں کلیاں چٹکنے اور نظروں میں گلاب
کھلنے لگے۔ ان دنوں موسم بے حد دل کشا اور جاں فزا ہے،
کبھی کبھار دوپہر ذرا گرم ہوئی ورنہ مدینے کی صبحیں، شامیں
اور اوقات شب اتنے لطیف، اتنے سازگار اور اس قدر طمانیت بخش
ہیں کہ انسان خود یہاں رہے۔۔۔ "

فاضل مصنف کی تحریر میں خوبصورت ترنم اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ جا بہ جا پرشکوہ الفاظ جب ہم قافیہ و ردیف ہو جاتے ہیں تو قاری جھوم اٹھتا ہے اور وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کتاب کے دیباچے میں بھی انہوں نے اپنی اس تحریر کو وجدانی تحریر

تجربہ ﷺ قرار دیتے ہیں۔ کئی جگہوں پر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا ذوق و شوق دید اس قدر فروزاں ہے کہ اپنے جذبات کا اظہار اپنے آپ سے کرتا ہے اور پھر دل کو تسلی دیتا ہے

"کبھی ملی جلی کیفیتوں کا حشر دل میں بپا ہو جاتا،
کشمکش انتظار، انتہائی یاسیت، خوبصورت اور مؤدبانہ گلہ گزاری،
التجا میں اصرار کا لہجہ، یاس کی مٹی سے اگتا ہوا امید کا
کوئی نازک سا پودا، پھر اس پودے پر جمتا ہوا حرماں نصیبی
کا کہرا۔" (ص 24)

الغرض "اپنی منزل کی طرف" ایک ایسا سفرنامہ حج ہے جس میں احساس طاعت کے ساتھ ساتھ وجود ذات کی کرم فرمائی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ہر لمحے قاری اسی ذوق و شوق کے ساتھ اپنے آپ کو حجاز مقدس میں محسوس کرتا ہے، جس جذبے کی لگن مصنف کو ہر لحظہ محسوس ہوتی ہے۔

۱۵۶

رحمٰن کا مہمان ۔۔ رفیع الزماں زبیری

=============================

یہ عمرہ اور حج کا سفرنامہ ہے جسے ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ سفرنامہ کل سینتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا " پیش لفظ " حکیم محمد سعید نے تحریر کیا ہے۔ یہ سوالاً جواباً انداز میں ہے۔ دو بچے سلیمان اور عیسیٰ اپنے پیارے نانا ابا سے اپنے سفر حج اور عمرہ کے بارے میں مختلف سوالات کرتے ہیں اور نانا ابا اپنے اس مبارک سفر کی روشنی میں انہیں سعودی عرب (حجاز مقدس) میں اپنی مصروفیات اور حج سے متعلق جملہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبانی وقتاً فوقتاً جو سوالات ہوتے ہیں وہ بہت دلچسپ ہیں اور جس طرح نانا ابا کی زبان میں چاشنی، پیار اور گھلاوٹ موجود ہے، گویا سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کتاب کے چار ابواب ہیں جن میں کراچی سے جدّہ تک کے واقعات اور واپسی کراچی تک کا سفر محیط ہے۔

نانا ابا 29 اپریل 1988ء کو کراچی کی بندرگاہ سے جدّہ کے لئے بحری جہاز میں سوار ہوتے ہیں۔ آٹھ روز کے بعد یہ جہاز جدّہ کی بندرگاہ پر پہنچتا ہے۔ وہاں نانا ابا احرام باندھ کر حرم شریف کے لئے چل پڑتے ہیں اور عمرہ ادا کرتے ہیں۔ ایک جگہ پر نانا ابا حرم شریف کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں

" خانہ کعبہ اور اس کے چاروں طرف کا صحن حرم شریف یا مسجد حرام کہلاتا ہے۔ یہ دنیا میں وہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اللہ کے حکم سے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا

ساری دنیا کے مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔" (ص 16)

یہاں پر رفیع الزمان زبیری نے واقعات کو بہترین تسلسل مہیا کیا ہے۔ ابرہہ اور حضرت عبدالمطلب کا وہ مشہور واقعہ بھی قلم بند کیا ہے جب ابرہہ نے ان کے اونٹ زبردستی اپنے قبضے میں لے لئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اونٹ چھڑا لئے اور کہا کہ

" میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ ان کی مجھے فکر ہے۔ رہ

گیا یہ گھر تو جو اس کا مالک ہے وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ "(ص 20)

اسی سال ابرہہ اور اس کا لشکر ابابیلوں کی کنکریوں کی زد میں آ کر مر گیا اور اس کو " عام الفیل " کا سال کہتے ہیں یعنی ہاتھیوں کا سال۔ اس سال ہمارے پیارے نبی پیدا ہوئے۔

اس سفرنامے میں بہت دلچسپ واقعات تحریر کئے گئے ہیں، فاضل مصنف نے بہت خوب صورت الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔ اکثر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ منفرد قسم کی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ " رسول اللہؐ نے مسجد حرام میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی اس میں پہلی توسیع 17 ہجری میں حضرت عمرؓ نے کی۔" (ص 21)

اسی طرح حج کے اہم رکن "سعی" کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ حضرت اسماعیل کی پیاس بجھانے کے لئے حضرت ہاجرہ کا صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر، لوگوں کو یا کسی قافلے والوں کو دیکھنا اور پھر مروہ پر جا کر بیتابی کے ساتھ پانی کی خاطر لوگوں کو دیکھنا، سعی کہلاتا ہے۔ انہوں نے ان پہاڑوں پر سات چکر لگائے تھے۔ آخری بار انہوں نے ایک فرشتے کو دیکھا جو اپنی ایڑی/پر زمین رگڑ رہا تھا اور وہیں پانی کا چشمہ ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ پانی کو دیکھ کر خوش ہوئیں اور انہوں نے زم، زم یعنی " رک جا، رک جا " کہا ۔ لہذا اس وقت سے یہ پانی عالم اسلام کے لئے مقدس حیثیت رکھتا ہے اور " سعی " کا عمل حج کے لئے فرض

درج ہو گیا ہے۔

آب زم زم، اسی چشمے کا پانی ہے، اب اس کی شکل ایک کنویں کی سی ہے۔ یہ خانۂ کعبہ سے تقریباً میٹر دور حجر اسود کے سامنے ہے۔ کنواں دو میٹر گہرا ہے۔ زم زم کے پانی میں چھ معدنی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ میگنیشیم سلفیٹ، سوڈیم سلفیٹ، سوڈیم کلورائیڈ، پوٹاشیم نائٹریٹ، کیلشیم کاربونیٹ اور ہائیڈروجن سلفائیڈ، ان اجزاء سے جسم تندرست و توانا رہتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا کہ مصنف کو خانہ کعبہ شریف کے اندر کے حصے کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ اندر کی تفصیل یوں صفحۂ قرطاس پر بکھیرتے ہیں " کعبہ شریف کا دروازہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس پر قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہیں۔ اندر سیاہ اور سفید سنگ مرمر کا فرش ہے۔ چاروں طرف دیوار پر چھ، سات فٹ کی اونچائی تک سنگ مرمر لگا ہے۔ اس سے اوپر چھت تک کا حصہ سبز رنگ کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے جس پر قرآن پاک کی آیتیں کڑھی ہوئی ہیں۔ کعبہ شریف کے اندرونی حصے میں دو ستون ہیں۔ اس کے اندر وہ جگہ بھی محفوظ ہے جہاں رسول اللہ نے نماز ادا کی تھی۔" (ص 28)

مصنف کو پہلے عمرہ ادا کرنے کا موقع ملا ہے اور اپنے دونوں بچوں کو بہت مفصل انداز میں عمرے کے بارے میں بتایا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف حجر اسود سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ اس طرح سات چکر لگائے جاتے ہیں۔ حضرت ابراھیم نے ایک پتھر کعبہ شریف کے ایک کونے پر لگا دیا۔ یہ پتھر آج تک وہیں ہے اسی کو حجر اسود کہا جاتا ہے۔ یہ اب چاندی کے ایک بڑے فریم میں محفوظ ہے۔ اسے حضور اکرم (صلعم) نے چوما ہے اور ہاتھ لگایا ہے۔ اسی طرح یہاں مصنف مقام ابراھیم کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراھیم کعبہ شریف کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ یہ کعبہ شریف کے سامنے مشرق کی جانب ایک خوبصورت بلوری شیشے میں محفوظ ہے۔ اس کے بیچ میں حضرت ابراھیم کے قدموں کا نشان ہے۔ طواف کے بعد یہاں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر سعی کی جاتی ہے۔

پھر بال ترشوائے جاتے ہیں۔ اس طرح عمرہ ادا ہوتا ہے۔ حجر اسود اور کعبہ شریف کے دروازے کے درمیان جو حصہ ہے اسے ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں خانہ کعبہ سے لپٹ کر دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ایک مقام پر ننھی عائشہ سوال کرتی ہے کہ حج کیسے کیا جاتا ہے تو مصنف جواب دیتے ہیں کہ حج کے تین فرائض ہیں۔ احرام پہلا فرض ہے، دوسرے فرائض طواف و زیارت اور وقوف عرفات ہیں۔ کراچی سے جانے والے احرام باندھ کر روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر پہلا کام عمرہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ پھر 8 ذی الحجہ کو حج کی ابتدا ہوتی ہے۔ ظہر سے پہلے منیٰ روانہ ہو جاتے ہیں اور رات کو وہیں رہتے ہیں۔ 9 ذی الحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر دن نکلنے پر منیٰ سے عرفات روانہ ہوتے ہیں۔ عرفات میں قیام کرنا حج کا دوسرا فرض ہے۔ یہاں سورج کے زوال سے سورج چھپنے تک ٹھہرتے ہیں۔ عرفات کی مسجد نمرہ میں ظہر کے وقت ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے اور امام صاحب خطبہ دیتے ہیں۔ حاجی عرفات میں مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ مغرب اور عشا کی نماز مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ رات مزدلفہ ہی میں گزارتے ہیں اور سورج نکلنے سے ذرا پہلے مزدلفہ سے پھر منیٰ کے لئے چل پڑتے ہیں۔ 10 ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر پہلا کام شیطان کو کنکریاں مارنا ہے۔ اس کے بعد قربانی کرتے ہیں اور پھر بال کٹواتے ہیں۔ اب احرام اتار کر سلا ہوا کپڑا پہنا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد طواف زیارت کیا جاتا ہے۔ یعنی منیٰ سے مکّہ معظمہ جاتے ہیں۔ کعبہ شریف کا طواف کرتے ہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں اور پھر مکّہ معظمہ سے واپس منیٰ آ جاتے ہیں۔ 11 ذی الحجہ کو منیٰ میں رہتے ہوئے تینوں شیطانوں کو زوال سے غروب آفتاب تک کنکریاں مارتے ہیں۔ 12 کو بھی یہی عمل کرتے ہیں۔ 13 کو سورج ڈوبنے سے پہلے مکّہ معظمہ روانہ ہوتے ہیں۔ جب مکّہ معظمہ سے آخری بار روانہ ہوتے ہیں تو طواف وداع کرتے ہیں۔ یہ واجب ہے۔ پھر مدینہ شریف جاتے ہیں اور حضور اکرم (صلعم) کے روضۂ مبارک کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ مدینہ شریف، مکّہ معظمہ سے 452 کلومیٹر دور شمال میں واقع ہے۔ حضور پاک مکّہ معظمہ سے ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تھے اور یہ شہر اسلام کا

صدر مقام بن گیا تھا اور یہیں آپ کا روضہ مبارک ہے۔ روضے کی حدود میں ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے مقبرے ہیں۔ اسی جگہ ریاض الجنۃ ہے۔ یہ مسجد نبوی کا وہ حصہ ہے جو رسول اللہ کے روضہ مبارک اور آپ کے منبر کے درمیان ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد الحرام کو چھوڑ کر تمام مسجدوں سے ہزار گنا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضور اکرم نے خود حصہ لیا تھا۔ بعض صحابہؓ جن کا گھر بار نہ تھا مسجد کے ایک حصے میں رہتے تھے۔ یہ ایک چبوترہ سا تھا، اسے صفہ کہتے تھے۔ جو صحابی یہاں رہتے تھے، انھیں اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد مصنف اس شہر میں کچھ وقت گزارتا ہے۔ اس کی تفصیل بھی اس سفرنامے میں نمایاں طور پر شامل کی گئی ہے۔ خوبصورت الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بہت دلچسپ اور بلیغ انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اپنے چھوٹے پوتوں اور نواسوں کو بطریق احسن حج کے لوازمات اور سفر حج کے بارے میں بتایا ہے۔

مصنف کا اسلوب بیان بہت دلکش ہے اور ٹکسالی زبان استعمال کی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنف اپنی روداد بتاتے ہوئے دیار حرم کے ان لمحات اور پرکیف فضا میں کھو جاتا ہے۔ گویا اسی ماحول میں ڈوب کر اور بچ بس کر چھوٹے بچوں کو سفر روداد بیان کرتا ہے۔

باب چهارم

مجـــموعی نـتـــائـسج

حج کے سفرناموں کا مجموعی جائزہ

اردو ادب میں حج کے سفرناموں کی روایت بہت پرانی ہے۔ عرصۂ دراز سے لوگ حجاز مقدس فریضۂ حج ادا کرنے کی غرض و غایت لے کر جاتے رہے ہیں اور واپسی پر اپنے تجربات ، مشاہدات اور احساسات رقم کرنے کی کوشش کرتے اور اس طرح بے شمار سفرنامے مرتب ہوئے۔ یہ مشاہدات اسفار فنی اور تخلیقی طور پر مختلف نوعیت کے ہوئے۔ بعض سفرناموں میں مناسک حج کا تذکرہ کم اور وہاں کی معاشرتی زندگی کا تجزیہ زیادہ ہوتا ، اسی طرح کچھ سفرنامے صرف صعوبات اور تکالیف سفر اور دوران سفر پیش آنے والے انوکھے واقعات، بحری اور ہوائی جہازوں کے پرظلموں حالات اور شہر جدّہ و مکہ و مدینہ کی زندگی کی رنگا رنگی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے سفرناموں کو قارئین تو بے شک بہت دلچسپی سے پڑھتے مگر فنی اور فکری طور پر ان کا شمار اعلیٰ پائے کے حج ناموں میں نہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ حالات بدل گئے ۔ انفرادی اور اجتماعی احوال کے مشاہدے کے نئے زاویے(سامنے آئے، معاشرتی اقدار میں تبدّل رونما ہوا اور اسی طرح لوگوں کے معیار زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اسی وجہ سے حج کی فرضیت وہی رہی مگر معنویت میں تضاد آ گیا۔ اب حجاج کرام مناسک حج کے ساتھ ساتھ سعودیہ میں شاپنگ کے بھی متمنی ہوئے۔ صنعتی ممالک نے اپنی مصنوعات کی کھپت کے لئے سعودی عرب کو ایک پرکشش منڈی میں تبدیل کر دیا ، یہاں تک کہ " خاکِ شفا " کی پیکنگ بھی اطالیہ کی ایک فرم کرنے لگی۔

اسی طرح پہلے تو زائرین اونٹوں اور گھوڑوں پر یا پیدل حج کی ادائیگی کے لئے جاتے تھے مگر ان نظام مواصلات کی تیز رفتار تبدیلی اور سہل پسندی کے باعث متمول زائرین بحری سفر پر ہوائی سفر کو ترجیح دینے لگے۔ برسوں اور مہینوں کا سفر اب گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔

مختلف قسم کی صعوبات ، سہولیات میں تبدیل ہوئیں مگر لوگوں کے ایمان و یقین کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو پہلے حجاج کرام پانچ چھ اور سات سات ماہ تک کا بندوبست کر کے جاتے تھے۔ شدید مشکلات کے سفر میں اکثر زندگیاں ہی ختم ہو جاتی تھیں مگر اب روّیے بدل گئے اور فاصلے سمٹ گئے۔ اب مناسک حج تو اسی طرح ادا ہوتے ہیں مگر حج کا دورانیہ سمٹ گیا ہے۔ اور سعودی عرب میں معاشرتی اور سماجی اعتبار سے لوگ بہت کم وقت گزار کر بذریعہ ہوائی جہاز بہت جلد واپس اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اچھا ادیب اپنے ادب میں وہی کچھ پیش کرتا ہے، جو وہ اپنے سامنے کی زندگی سے اخذ کرتا ہے۔ لہذا ہر اچھی تخلیق میں زمانے کا اور ماحول کا پرتو نظر آتا ہے اور مصنف (تخلیق کار) کی شخصیت اور مزاج کا مظہر ہوتی ہے۔ جتنے بھی حج کے سفرناموں کا ہم نے جائزہ لیا ہے۔ ان میں واقعات حج تو تقریباً ایک جیسے پیش کئے گئے ہیں۔ مناسک حج کی ادائیگی میں کوئی تفریق نہیں البتہ مصنفین کے ذہنی روّیے اور اسالیب متنوع ہیں۔ ہمیں سفرنامہ پڑھتے ہوئے کئی جگہوں پر معاشرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں لیکن ان کو پیش کرنے کا انداز جدا جدا ہے۔ اگر ہم حج ناموں میں مختلف طرح کی معلومات بیان کرنے کی بابت بحث کریں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات تو تقریباً ہر حج نامے میں تحریر کر دی گئی ہے تاہم صادق قریشی اور رفیع الزماں زبیری نے واقعی معلومات کے دریا بہا دئیے ہیں۔ صادق قریشی نے اس تخلیق کو جغرافیائی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں حجاز مقدس کے مختلف شہروں کے درمیانی فاصلے اور مقامات مقدسہ کا حدود اربعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح زبیری صاحب نے سوال جواب کے انداز میں سعودی عرب اور مناسک حج کو تاریخی حوالوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی استاد "کوئیز" کی طرح کے سوالات پوچھ رہا ہے اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح جاوید جمال ڈسکوی نے بھی چھہتر طرح کے عنوانات کے تحت، جدید قسم کی معلومات درج کی

کی ہیں۔ مکّہ اور مدینہ شریف کی اٹھائیس مساجد ، کنوؤں اور مکانات کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح حرم شریف کے کبوتروں تک کو زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے ہر دوسرے صفحہ پر حجاز مقدس سے متعلق جدید اور نادر قسم کی تصاویر پیش کر کے واقعی قارئین کو معلومات کی حد تک مالامال کر دیا ہے۔ حافظ لدھیانوی کے حج نامے کی بھی یہی خوبی ہے کہ اس میں بھی قاری کو عرب شریف سے متعلق مفید اور کارآمد باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے پہلے کے حج ناموں کی روایت درج کر دی گئی ہے۔ حج ناموں کی ابتداء اور ارتقاء سے متعلق تمام مراحل کا کماحقہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ دوران سفر پیش آنے والے مختلف طرح کے واقعات مثلاً جہاز میں ہونے والی فوتیدگی اور جہاز کے عملے اور ان کے اخلاق حسنہ کی بابت تعریفی کلمات کا اندراج ملتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو درج بالا مصنفین نے اپنے اپنے سفرناموں میں جدید باتوں کا بہت دلچسپ انداز میں تذکرہ کیا ہے اور قارئین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

اگر ہم مذہبی اعتبار سے سفرناموں کا جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تقریباً تمام ادیبوں نے کسی نہ کسی طرح فقہی مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سرفہرست سیّد اسعد گیلانی کا حج نامہ ہے۔ اس میں سیرت طیبہ کا ذکر تمام تفاصیل کے ساتھ درج ہے۔ اسی طرح مذہبی طور پر مناسک حج کی ادائیگی اور اس بابت چند فقہی اختلافات سے متعلق مرقوم ہے، انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔ خواجہ غفور احمد کا حج کا سفرنامہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انہوں نے دیوبندی اور بریلوی طرز فکر کا موازنہ کیا ہے۔ چند جیّد علماء کے حوالوں سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی ہے۔ کئی مقامات پر جادو، ٹونے ٹوٹکے معجزے اور پیشین گوئیوں کی حمایت میں دلائل تحریر کئے ہیں۔ ان کے حج نامے میں ان کے مذہبی نظریات و خیالات، اعتقادات و رجحانات سبھی کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ کرنل غلام سرور نے بھی عقائد کی بابت سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ جدید طرز زندگی کے عادی ہیں مگر اسلامی شعائر و تعلیمات سے ان کو خاصا شغف ہے۔ قدم قدم پر وہ روضۂ رسول سے لپٹ کر بہت

جذباتی انداز میں اپنے مذہب و عقیدہ کی بابت تذکرہ فرماتے ہیں۔ مناسک حج ادا کرتے ہوئے، پیروی رسول کی پابندی فرماتے ہیں۔ وہ اس حدیث نبوی کے پیروکار ہیں کہ " اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے" اور ہر وقت مذہب اور شعائر مذہب کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات فقہی مسائل کا تذکرہ بھی کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دوسروں کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔

اسی قبیل کا حافظ لدھیانوی کا سفرنامہ ہے جس کی تقریظ ملک کے معروف مذہبی خانوادہ گولڑہ شریف کے خادم الفقراء غلام نصیرالدین نصیر نے رقم کی ہے۔ حافظ لدھیانوی اعلیٰ پائے کے نعت گو ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو عربی و اسلامیات کے مدرس کا بھی ہے۔ انہوں نے اپنے ضخیم سفرنامے میں جابجا فقہی مسائل کا ذکر چھیڑا ہے۔ ان کی اس تخلیق میں کئی جگہوں پر قرآن شریف کی آیات کے حوالے ملتے ہیں اور اسی طرح موقع و محل کی مناسبت سے نعتوں کے اشعار بھی درج کئے ہیں۔ ویسے بھی وہ مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں لہذا حج نامے میں سفر حج کے واقعات کم اور مسائل حج کا بیان زیادہ کیا ہے۔ ہم ان حج ناموں کا جائزہ لیتے ہوئے بعض مصنفین کی علمی و ادبی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ویسے تو جن لوگوں نے بھی حج نامے تحریر کئے ہیں، علمی اور ادبی اعتبار سے ان کی شناخت دوسری ادبی کاوشوں سے ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں خصوصی طور پر ان کے مرتبے و مقام کا تعین کرتے ہیں، جیسے نامور محقق اور نقاد بزرگ استاد ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب جو اکتالیس کتابوں کے مصنف ہیں جن میں چند اہم کتابیں اردو تنقید کا ارتقاء، مقدمات عبدالحق، جدید شاعری، غالب کا فن، اقبال کا فن، جہان میر، ادب اور ادبی قدریں، تنقید اور اصول تنقید جلوہ ہائے صد رنگ اور ترکی میں دو سال وغیرہ ہیں۔ ان کے قلم میں روانی ہے اور عرب شریف کے حالات اور مناسک حج دل آویز ادبی اسلوب میں تحریر کئے ہیں۔

پروفیسر عاصی کرنالی کا انداز نگارش بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس سے بیشتر ان کی بہت سی تخلیقات موجود ہیں جیسے نظم و غزل میں رگ جاں، جشن خزاں، چمن اور

سعتوں کے گلاب، چہرہ چہرہ ایک کہانی (افسانوی مجموعہ) اور لب خنداں شگفتہ تحریروں کا مجموعہ ہے۔، ان کا ابدی سرمایہ ہیں۔ تاہم انہوں نے"اپنی منزل کی طرف" بھی پورا پورا دھیان دیا ہے اور اپنے حسین مشاہدات کو سپرد قلم کیا ہے۔ اسی طرح غلام الثقلین نقوی مشہور افسانہ نگار ہیں، انہوں نے پاک بھارت جنگ 1965ء کو اپنے افسانوں میں بہت اچھوتے انداز سے شامل کیا اور وہ خالص پنجابی ارضیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا علمی و ادبی مرتبہ اٹل ہے اور ارض تمنا کے حصول کے لئے اپنے جذبات و احساسات کی صحیح معنوں میں ترجمانی کی ہے۔ صادق قریشی مشہور ادیب و صحافی ہیں۔ اس پیشے سے وابستگی کی بنا پر ادبی حلقوں میں بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خوبصورت تصاویر کے ساتھ حجاز مقدس کے اہم مقامات کی بھرپور انداز میں نشان دہی کی ہے اور یہ واقعی ان کی فکر و نظر کا خاصا ہے۔ جس نے انہیں بلند مرتبہ عطا کیا ہے۔ انہی ادیبوں کی طرح بشریٰ رحمان بھی معروف مصنفہ ہیں، ادبی حلقوں میں ان کی پہچان بحیثیت ناول نگار، افسانہ نگار اور کالم نویس ہوتی ہے۔ ان کا اخباری کالم " چادر اور چار دیواری " قارئین کے وسیع حلقے میں مقبول ہے۔ اسی طرح ان کا معروف ناول " ایک آوارہ کی خاطر" ہی ان کی شناخت کا سبب ہے۔ انہوں نے اللّٰہ میاں جی (باؤلی بھکارن) تحریر کر کے علمی وادبی حلقوں میں خاصی پہچان پیدا کی ہے۔

کچھ ادیب ایسے ہیں جن کی پہچان حج کے سفرناموں کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر بھی ہو چکی ہے مثلاً فرید پراچہ، پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں۔ ایک سیاسی (مذہبی) جماعت سے وابستگی کی بنا پر خاصے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ شاید علمی طور پر ان کا مرتبہ اتنا اہم نہ ہو لیکن سفر شوق کے طلب گار کی حیثیت سے لوگوں کی امنگوں کے ترجمان بن گئے ہیں۔ اسی طرح جاوید جمال ڈسکوی، مشہور صحافی تھے روزنامہ جنگ میں مستقل کالم لکھتے تھے، ان کا اپنا ایک مخصوص سٹائل ہے اور صحافتی سطح پر عوام میں مقبول رہے۔ اسی طرح سید اسعد گیلانی

ایک سیاسی جماعت سے وابستہ ہیں۔ دینی تعلیمات پر دسترس رکھتے ہیں اور اہل قلم میں شامل ہیں۔ شاہدات حرمین بڑی عرق ریزی سے قلم بند کئے ہیں۔ اسی قبیل میں بشریٰ رحمان کا نام بھی شامل ہے۔ وہ مشہور ادیبہ اور سیاست دان ہیں، پنجاب اسمبلی کی ممبر رہ چکی ہیں۔ سیاسی طور پر ان کی کاوشیں قابل قدر ہیں اور اپنی شناخت آپ ہیں، اپنے حج نامے میں کئی مقامات پر بڑے بڑے سیاسی اکابرین سے مشاورت نظر آتی ہے اور حجاج کرام کے مسائل حل کرانے میں سرگرداں ہیں۔ ان کا یہ حج نامہ مدلسک کے مقابلے میں معاشرتی اور فلاحی امور کا ادارہ محسوس ہوتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ادب میں حج کے سفرناموں کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لئے ہمیں ان فن پاروں میں موجود مواد کا تجزیہ کرنا ہو گا، بلحاظ الفاظ کے اعتبار سے عامی کرنالی، اپنی منزل کی طرف جاتے ہوئے خوبصورت فارسی اور عربی کے برمحل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی خوبصورت تشبیہات، فن پارے کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ بے شک مشکل تراکیب شامل کی گئی ہیں مگر قاری پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ایچ بی خان جب کراچی سے گنبد خضرا تک کا سفر اختیار کرتے ہیں تو ان کا مقصد اپنا احوال پیش کرنے کے علاوہ محسوسات قلبی اور تجربات روحانی کو آشکار کرنا بھی ہے اور وہ خوبصورت الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہی خوبصورت فقروں اور استعارات سے صوتی آہنگ پیدا ہو جاتا ہے جس نے ان کے فن پارے کو چار چاند لگا دئیے ہیں۔ محترمہ وحیدہ نسیم، حدیث دل بیان کرتے ہوئے واقعی جچے تلے الفاظ استعمال کرتی ہیں، ان کے یہاں خارج کی حقیقت نے اپنا اثبات ماضی کی تاریخ اور داخل کی واردات سے کیا تو حج ناموں میں ایک بالکل نئی جہت کا اضافہ ہوا، نئی تراکیب وضع ہوئیں اور قاری کو اطمینان نصیب ہوا۔ یہی حال کراچی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو اور نامور محقق و نقاد سیّد ابوالخیر کشفی کا ہے۔ ان کی تحریر میں ایک عالمانہ شکوہ ہے۔

" وطن سے وطن تک جاتے ہوئے " خصوصی طور پر شعتیہ اشعار میں بہت لطیف خیالات اور وقیع الفاظ شامل ہیں جس سے ادبی چاشنی اور لطافت پیدا ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک ماہر

لسانیات ہیں اس لئے الفاظ کی ادائیگی ، ساخت و پرداخت اور بندش الفاظ پر پورا عبور ہے اور اسی سے ان کے حج نامے میں وقار پیدا ہوا ہے۔

کسی فن پارے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کی جملہ خوبیوں اور خامیوں پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس سے اس کا ادبی مقام متعین ہو جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ، وہ حج نامۂ اعلیٰ پائے کے حامل ہیں جو سٹائل کے اعتبار سے اور جملہ تیکنیکی لحاظ سے حقیقت حال سے قریب ترین ہوں۔ فنی نقطۂ نظر سے اے آر خالد ، عجمی کے حج میں وجدانی طور پر اپنے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں، انہوں نے اچھوتی تشبیہات اور حسین خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اسی طور زہے نصیب میں زبیدہ حسّن بھی اچھے سفرنامے کے جملہ لوازمات صحیح معنوں میں پوری کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، سٹائل کے لحاظ سے ان کا حج نامہ صحیح معنوں میں ادب پارہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے جو منظر کشی کی ہے وہ مصوّری کا عکس پیش کرتی ہے، اس میں محاکاتی عمل خوبصورت رنگوں سے مزّین ہے۔ تنقیدی طور پر محمد سعید اختر نے سوئے حرمین رواں ہوتے ہوئے لفظوں کی ساحری کی ہے، بنیادی طور پر وہ ایک انجنئیر ہیں مگر تخلیقی اعتبار سے صاحب طرز ادیب ہیں اس حج نامے کو انہوں نے تنقیدی لحاظ سے کامیاب فن پارہ ثابت کیا ہے اور ان کی یہ کاوش علم دوستی اور علم پروری کی مرہون منت ہے۔

زندگی میں تیز رفتار تبدیلیوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں " حاجی " کی اصطلاح محترم رہے یا نہ رہے، " حج " کا لفظ ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہے، اور مکّے اور مدینے کا تو نام آتے ہی قلب و نظر لذت کی ایک عجب کیفیت سے آشنا ہوتے ہیں، اس لئے سفرنامۂ حج اردو زبان و ادب میں مقبول صنف رہا ہے اور رہے گا۔ البتہ قارئین کی ایسے سفرنامے سے تنوع اور متغیر توقعات، سعودی عرب میں پاکستانیوں کی ایک کثیر تعداد کا بسلسلۂ روزگار مقیم ہونا ، پاکستان اور سعودی عرب کی حکومتوں کے گرمجوش سرکاری روابط، سرکاری وفود میں صحافیوں، سیاست دانوں اور ادیبوں کی شمولیت، اشاعتی سہولتوں کے فروغ اور صدر

ضیاء الحق کے دور میں مذہبی سرگرمیوں اور ان کی نشرو اشاعت کی سرپرستی نے اردو میں حج کے سفرناموں کو مقدار اور معیار کے نئے آفاق سے آشنا کیا ہے، سرکاری گراشوں کے ذریعے قائم ہوئے والے اور پروان چڑھنے والے کتب خانوں میں ایسی کتب کی خریداری کو سہل دیکھ کر پبلشرز بھی ان کی اشاعت کی جانب متوجہ ہوئے ہیں، تاہم حقیقت یہ ہے کہ " حج کے سفرنامے" پہلے بھی مقبول تھے آئندہ بھی رہیں گے کہ یہ روداد سفر شوق ہیں، البتہ ادبی روایت میں وہی سفر نامے اعتبار پائیں گے، جن میں یہ سفر، تخلیقی تجربہ اور واردات قلبی بنا ہو، جن میں زعم پارسائی نہ گونج رہا ہو بلکہ بشریت، اپنے عرق انفعال سے دمک رہی ہو اور جس کے اسلوب میں بے ساختہ ادبی شان ہو۔

اردو کے نامور نقاد ڈاکٹر انور سدید نے " اردو ادب میں سفرنامہ" جیسی وقیع تصنیف میں ایک باب " حج کے سفرناموں " پر بھی قائم کیا گیا ہے، موصوف اردو میں " حوالے کی ایک کتاب "(ریفرنس بک) کے طور پر معروف ہیں، انہوں نے 1980ء سے 1990ء تک حج کے سفرناموں کے ضمن میں کتب کا حوالہ دیا ہے، میں اپنے طالب علمانہ انکسار کے باوجود یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے نہ صرف یہ کہ ان میں سے/کا (6 کتب) بالاستیعاب مطالعہ اور تجزیہ کیا(*) بلکہ آٹھ حج کے سفرنامے ایسے بھی فراہم کر لئے جو اردو کے نامور محقق ڈاکٹر انور سدید کی نظر سے بھی نہیں گزرے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ تجلیات حرم — سیر و سفر — سفر فوز و فلاح — سوئے حرمین — تجلی کا تاج — میرے حضور کے دیس میں — اپنی منزل کی طرف — رحمان کا مہمان

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے ایک گراں قدر کتابچے بعنوان " اردو سفرنامے کی مختلف تاریخ " اور پروفیسر جیلانی کامران کے بے حد وقیع مقالے " حج کے سفرناموں کی روایت " (مطبوعہ ماہ نو، لاہور 1987ء) سے استفادے کے باوجود میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ 1980ء سے 1990ء تک کے حج کے بیشتر سفرنامے میری اس کاوش کے ذریعے زیر تنقید آئے ہیں، ان کی زمرہ بندی بھی اردو میں پہلی مرتبہ کی گئی ہے۔

(*) " چند دن حجاز میں " از محمد زبیر (قمر کتاب گھر کراچی)، " سفرنامۂ حجاز " از اشرف علی قریشی (جامعۂ اشرفیہ پشاور) اور " حرم میں دو سو روز " از چوہدری محمد اسلم (وژن پبلی کیشنز لاہور) تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکے، جس کی خلش میرے دل اور قلم میں ہے۔

کتابیات

(الف) حوالے کی کتابیں

نام مصنف	نام کتاب	ناشر/ سن اشاعت
انور سدید، ڈاکٹر	اردو ادب میں سفرنامہ	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور 1987ء
	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا - جلد ٢٣ (میکرو پیڈیا)	پندرھواں ایڈیشن، ولیم بینٹن پبلشنگ ہیلن ہیمنگوے بینٹن، شکاگو، لندن
حامد بیگ مرزا، ڈاکٹر	اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1987ء
خواجہ عبدالمجید (مولف و مرتب)	جامع اللغات	اردو سائنس بورڈ، لاہور
سلیم اختر، ڈاکٹر	ادب اور کلچر	مکتبہ عالیہ، لاہور
مستنصر حسین تارڑ	خانہ بدوش	سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور
وحید الدین سلیم، سیّد	مضامین سلیم	مجلس ترقی ادب، لاہور
وزیر آغا، ڈاکٹر	چوری سے یاری تک	مکتبہ جدید پریس، لاہور 1966ء

(ب) مجوزہ حج کے سفرنامے

نام مصنف	نام کتاب	ناشر/ سن اشاعت
ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر	وطن سے وطن تک	ادارہ مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، 1986ء
احمد خان درانی	نور کی ندیاں	کاروان ادب، ملتان 1984ء

احمد ندیم قاسمی	سفرنامۂ حج	روزنامہ جنگ، جمعہ میگزین اگست ستمبر 1988ء
اختر ریاض شیخ	سیر و سفر	سندھ ساگر اکادمی لاہور 1981ء
اسعد گیلانی	مشاہدات حرمین	ترجمان القرآن، لاہور 1984ء
افضل گیلانی	پہلاوا	بک کارنر، جہلم 1980ء
اے آر خالد	عجمی کا حج	آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور 1986ء
ایچ بی خان ڈاکٹر	کراچی سے گنبد خضریٰ تک	الحمد اکادمی، کراچی 1986ء
بشریٰ رحمان	باؤلی بھکارن (اللہ میاں جی)	وطن دوست لمیٹڈ، لاہور 1982ء
جاوید جمال ڈسکوی	میرے حضور کے دیس میں	جنگ پبلشرز، لاہور 1990ء
حافظ لدھیانوی	جمال حرمین	جنگ پبلشرز، لاہور 1983ء
حمیدہ فاطمہ سیّدہ	لاہور سے دیار حبیب تک	الحمراء پرنٹرز، لاہور 1982ء
رفیع الزمان زبیری	رحمان کا مہمان	ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی 1990ء
زبیدہ حسنی	زہے نصیب	نعت اکادمی، فیصل آباد 1983ء
صادق قریشی	پھر سوئے حرم	دارالادب، لاہور 1981ء
عاصی کرنالی	اپنی منزل کی طرف	کتاب نگر، ملتان 1990ء
عبادت بریلوی، ڈاکٹر	دیار حبیب میں چند روز	ادارہ ادب و تنقید، لاہور 1980ء
عبدالمجید ندیم، سیّد	خطبات ندیم	المکتبہ الباسط (پاکستان) لاہور 1980ء
غفور احمد خواجہ	سفر فوز و فلاح	قومی پبلشرز، لاہور 1983ء
غلام سرور، کرنل	مسافر حرم	معلومات حرمت، راولپنڈی 1983ء
غلام الثقلین نقوی	ارض تمنا	فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور 1986ء
فرید پراچہ	سفر شوق	البدر پبلی کیشنز، لاہور 1982ء

محمد سعید اختر	سوئے حرمین	طاہر پبلشرز، مریدکے، لاہور 1986ء
ممتاز ظافر	منزل	فروغ ادب، گوجرانوالہ 1986ء
وحیدہ نسیم	حدیث دل	غضنفر اکادمی، کراچی 1980ء

(ج) حج کے سفرنامے (بلا تخصیص مدّت)

ابوالاعلیٰ مودودی مولانا	سفرنامہ ارض القرآن	اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1970ء
حسن نظامی خواجہ	سفرنامہ حجاز و مصر و شام	حلقۂ مشائخ، دہلی 1911ء
شمس کاشمیری	جہلم سے عرفات تک	چناب اکادمی، گجرات 1979ء
عبداللہ ملک	حدیث دل	کوثر پبلی کیشنز، لاہور 1978ء
عبدالماجد دریابادی مولانا	سفر حجاز	معارف پریس، اعظم گڑھ 1931ء
کاظم حسین شیفتہ	حرمین الشریفین	مطبع کشور ہند، میرٹھ 1880ء
غلام رسول مہر مولانا	سفرنامہ حجاز	مکتبہ اسلوب، کراچی 1976ء
محمد شجاع ناموس	سفرنامہ حج و حرمین	مکتبہ میری لائبریری، لاہور 1973ء
محمد عمر علی خان	زاد غریب	مطبع کشور ہند، میرٹھ 1902ء
ممتاز مفتی	لبیک	التحریر، لاہور 1975ء
نسیم حجازی	پاکستان سے دیار حرم تک	دین محمد اینڈ سنز، لاہور 1960ء
نشاط النساء بیگم (بیگم حسرت موہانی)	سفرنامہ حجاز	حلقہ مشائخ، دہلی 1946ء
نصیر احمد ناصر ڈاکٹر	روداد سفر حجاز	فیروز سنز لاہور 1978ء

(د) متعدد سفرنامے

احمد عباس خواجہ	مسافر کی ڈائری	حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1938ء
سید احمد خان، سر	مسافران لندن	مجلس ترقی ادب، لاہور 1961ء
شبلی نعمانی مولانا	سفرنامہ مصر و روم و شام	قومی پریس، دہلی 1894ء
محمود نظامی	نظرنامہ	گوشۂ ادب، لاہور 1958ء
مستنصر حسین تارڑ	خانہ بدوش	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
یوسف خان کمبل پوش	تاریخ یوسفی (عجائبات فرنگ)	مطبع نول کشور، لکھنؤ 1873ء

(ہ) رسائل

جیلانی کامران	حج کے سفرناموں کی روایت	رسالہ ماہ نو، لاہور نومبر 1978ء
وزیر آغا، ڈاکٹر	سفرنامے کی بحث	رسالہ اوراق، لاہور (سالنامہ) 1978ء